بوندا باندی
ابدال بیلا

بوندا باندی

ابدال بیلا

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

891.4394 Bela, Abdaal
Bondda Bandi/ Abdaal Bela.-
Lahore : Sang-e-Meel Publications,
2014.
232pp.
1. Urdu Literature - Poetry.
I. Title.

2014ء
افضال احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

ISBN-10: 969-35-2761-5
ISBN-13: 978-969-35-2761-2

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), Lahore-54000 PAKISTAN
Phones; 92-423-722-0100 / 92-423-722-8143 Fax: 92-423-724-5101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

انتساب

حافظ شجیل حارث، نبیل، عمید اور لائبہ

کے نام

جو میری زندگی کی

شاندار کہانیاں ہیں
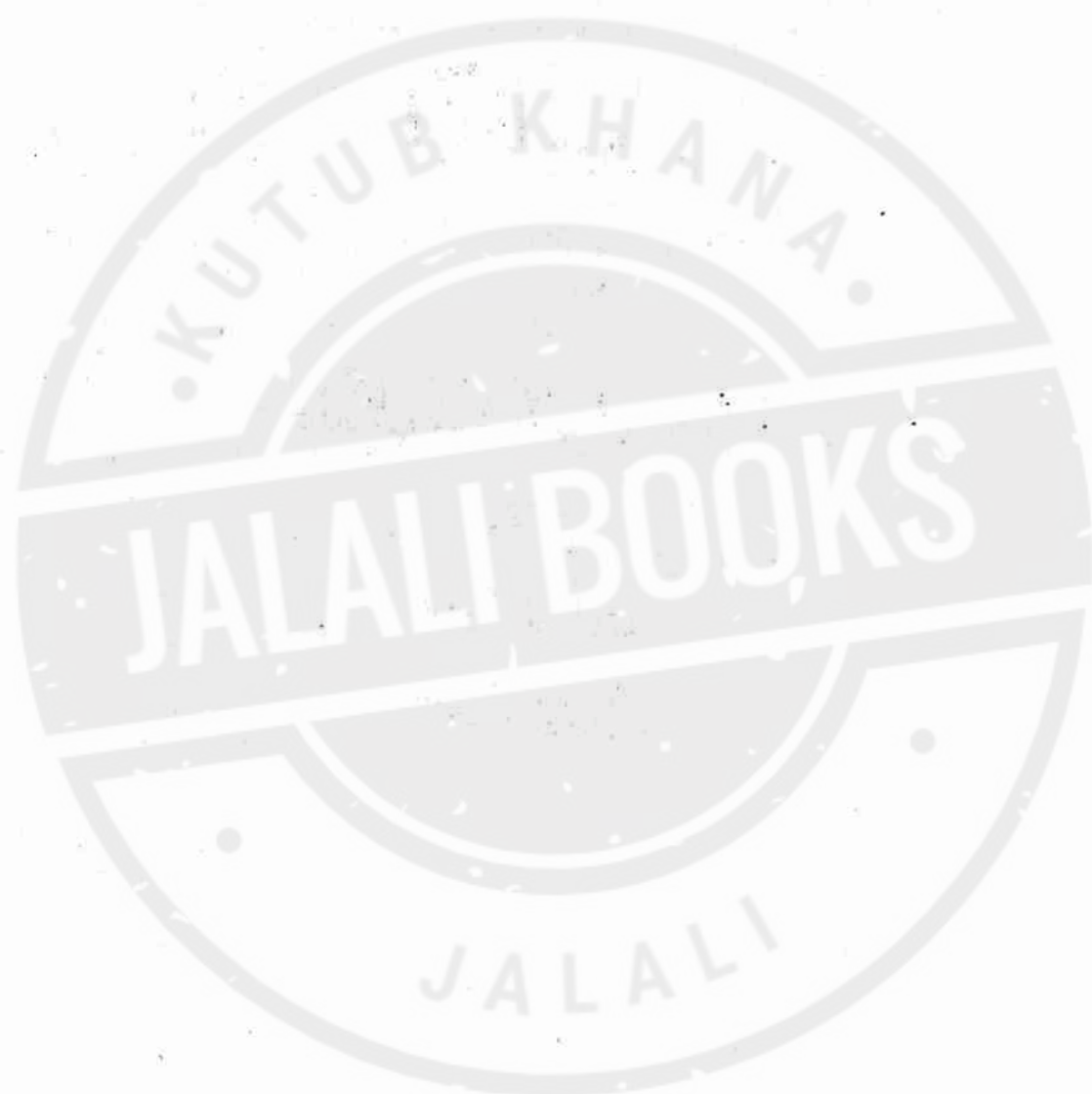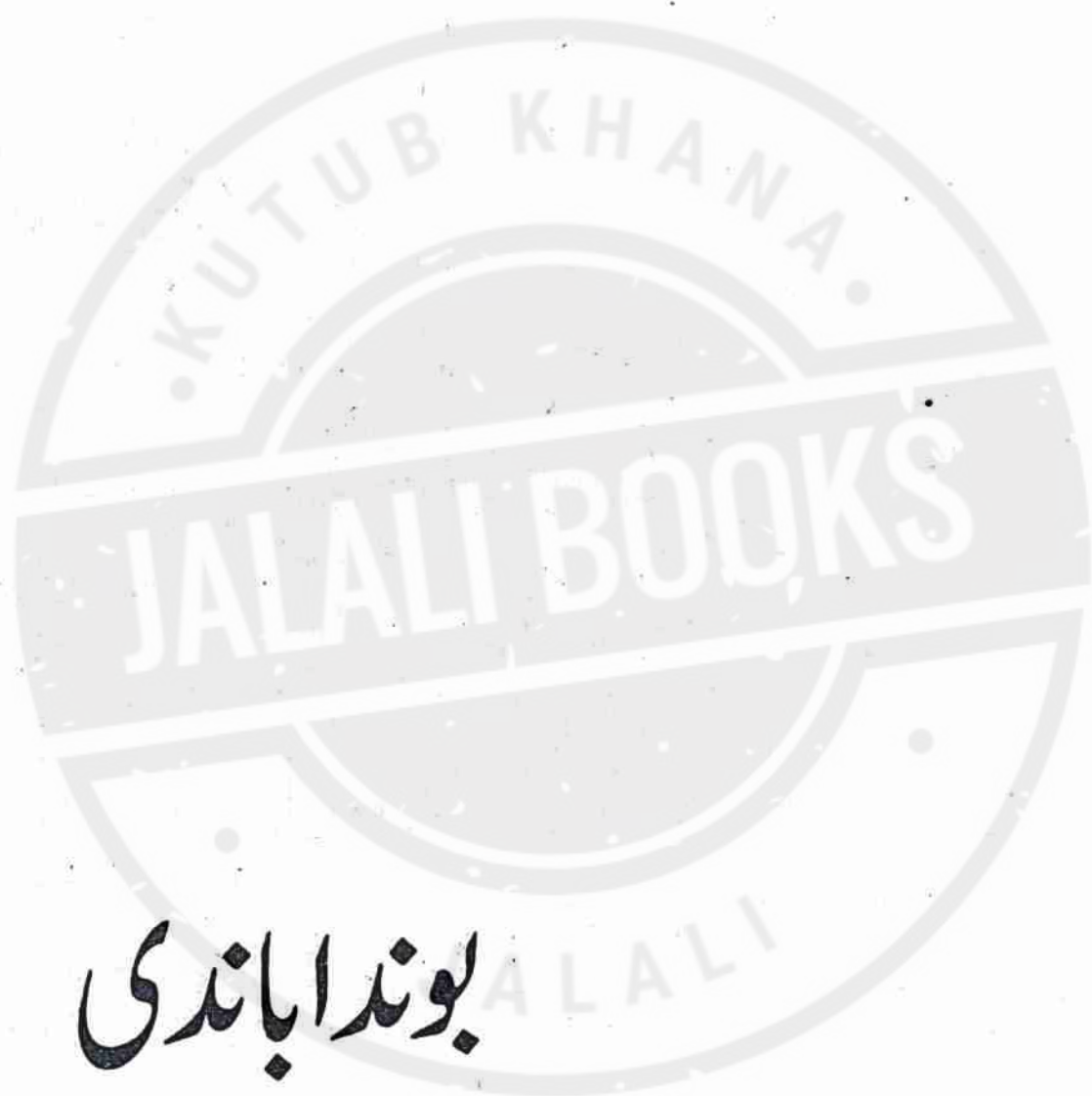
بوندا باندی
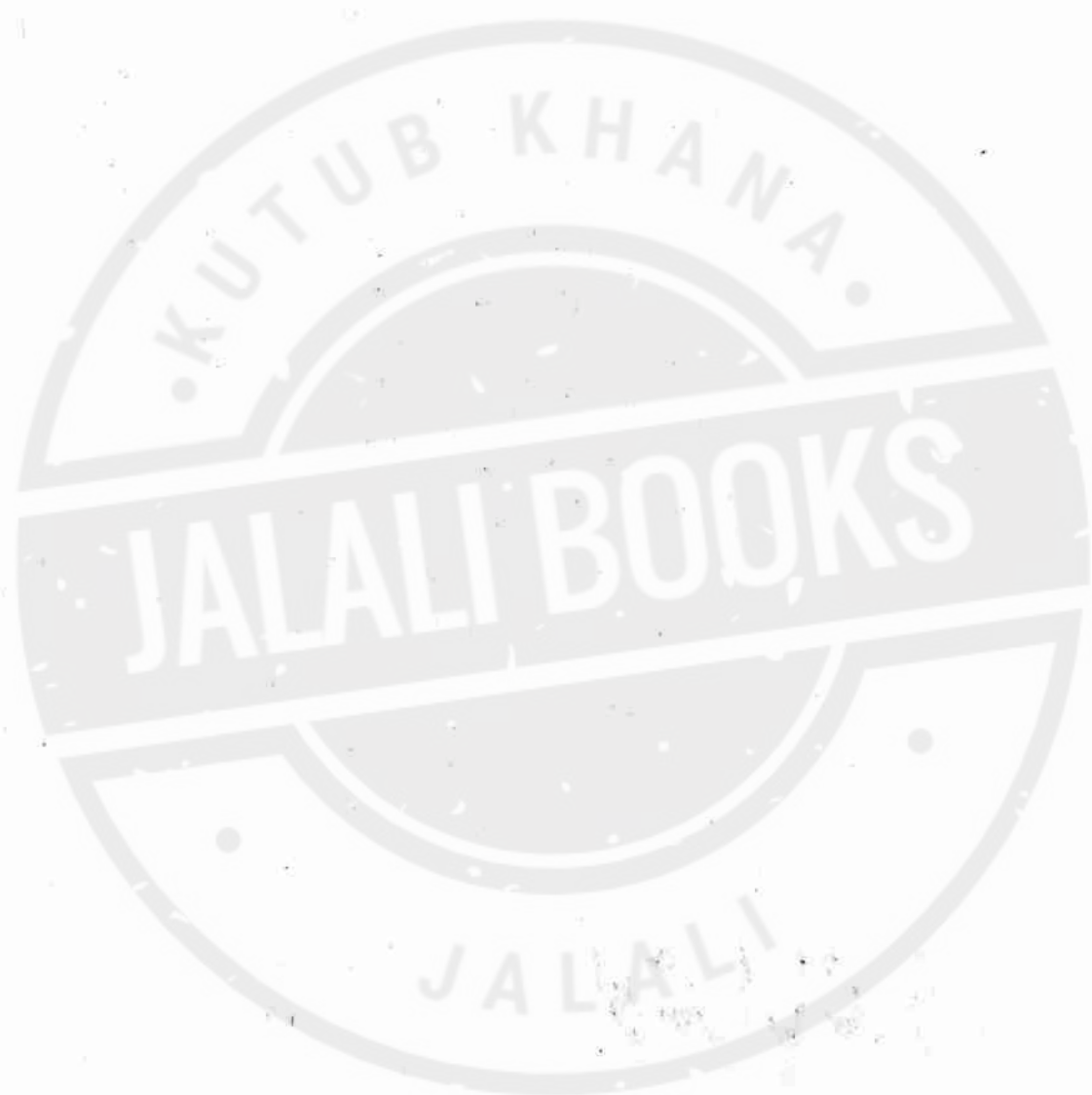
ابدال بیلا

فہرست

ممتاز مفتی کے ساتھ ابدال بیلا کو پڑھیں

کل پرسوں افتخار چوہدری آئے' کہنے لگے ۔ غازی عباس علم دار آئے تھے۔آپ کے لئے پیغام دے گئے ہیں۔ میں نے کہا۔گلزار فاطمہ ان کی ماننے والی ہے۔ابھی چند دن ہوئے بی بی پاکدامناں میں منت کا علم چڑھا کر آئی ہے۔چوہدری صاحب نے اسی روانی میں کہا۔اسے بھی کہنا۔حاضری دے آئے سلام کر آئے ، بعد میں داتا دربار بھی جائے' آپ بھی جانا......

میں سب سنتا رہا۔افتخار چوہدری کو ایک زمانے سے جانتا ہوں ۔انہوں نے پباشنگ اور ''ادب لطیف'' کو عرصے سے چھوڑ رکھا ہے اور فقیروں' بابوں اور قلندروں سے ناتا جوڑ رکھا ہے۔سالہا سال کے اس تواتر میں وہ جب بھی آتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لے کر نہ جانے کس کس صاحب کشف وکرامت بزرگ کی حاضری کا ذکر کرتے ہیں اور ان سے اپنے مکالمے کا احوال بیان کرتے ہیں۔ان کے ''آرڈر '' سناتے ہیں ۔ سیاسی حالات پر اور سیاسی کرداروں پر ان اولیاء کی مہربانیوں اور ناراضیوں کی کہانیاں کرتے ہیں ۔ میں ان کی کسی بات کا نہ اعتبار کرتا ہوں' نہ انہیں یاد

رکھتا ہوں۔ میں ان باتوں کو سوچ کی اس لہر سے ملاتا ہوں، جو ڈیروں پر جانے والوں کی کیفیت سے پیدا ہوتی ہے۔ اسے دنیاداری کے لفظوں میں بہکنا کہہ لیں یا جذب کا نام دے لیں۔ جب یہ حالت شدت اختیار کر جاتی ہے تو ایسے لوگ مجذوب بھی ہو جاتے ہیں۔

مگر اب کے عجیب ہوا۔ گلزار فاطمہ کو یہ بات میں نے دلچسپی کے لئے سنائی۔ اس نے نہایت سنجیدگی اور متانت سے کہا۔ اسے مذاق نہ سمجھیں۔ ایسا ہوا ہوگا وہ اس وقت روزے سے تھی اور اس پر الوہیت طاری تھی۔ میں خاموش ہو گیا۔

اور پھر۔ اب جو سردرات کے اس آدھے پہر میں، میں نے ''مفتی جی'' کے ورق پلٹنے شروع کئے تو مجھے ابدال بیلا کی باتیں بھی افتخار چوہدری جیسی لگیں اور مجھے اس روزے دار لڑکی گلزار فاطمہ کی بات ٹن ٹن کر کے بجنے لگی۔ ''اسے مذاق نہ سمجھیں''۔

ماننا۔ محبت کرنا اور عقیدت رکھنا عجیب معاملہ ہے۔

ممتاز مفتی سے کس کسی کا تعلق نہیں رہا۔ پچھلے کئی سال سے انہوں نے جو نئی کہانی لکھی۔ ''تخلیق'' کو بھیجی۔ ساتھ کبھی چار سطروں کا خط لکھا۔ کبھی صفحہ بھر کر۔ لاہور میں آتے تو اشفاق احمد، بانو قدسیہ اور پروین عاطف نے کسی ادبی نشست کا ڈول ڈالنا چاہا تو مفتی جی بھڑک اٹھتے۔ جن ایک دو۔ واقعتاً ایک دو لوگوں سے ملنے کا ذکر کرتے، ان میں میرا نام بھی ہوتا۔ مگر میں نے انہیں صرف افسانہ نگار یا ادیب ہی جانا۔ نہ ان کے اندر سے جھانکا نہ ٹٹولنے کی کوشش کی۔ ''لبیک'' پڑھی تو محسوس ہوا، وہ قدرت اللہ شہاب کو مرشد مانتے ہیں اور کسی وقت ترنگ میں آ کر خدا سے بھی جا ملاتے ہیں۔

میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا کہ یہ سب کیا اور کیوں ہے؟ میں بھی ہزاروں لاکھوں لوگوں کی طرح بھٹکا ہوا آدمی ہوں، مگر کچھ عرصے سے اقبال کے خیال کے مطابق اپنے من میں ڈوب کر سراغ زندگی پانے کی کوشش میں ہوں۔

''مفتی جی'' ملے تین ماہ ہو گئے ہیں۔ اس دوران ابدال بیلا سے فون پر بات بھی

ہوئی۔ کتاب کو جستہ جستہ دیکھا، تو ابدال بیلا کی کیفیت بھی چوہدری افتخار جیسی پائی۔ میڈیکل ڈاکٹر اور فوج میں کرنل ہونے کے باوجود اتنا سادہ، اتنا جھلا اور اتنے کچے ''ایمان'' کا۔ کہ اپنے مرشد کے لکھے ہوئے لفظ کے ایک نقطے کو بھی یوں چومتا ہے جیسے یہی نور کا دھارا ہو۔ یہ عشق کا کمال اور عقیدت کی معراج ہے۔ ابدال بیلا بتاتے ہیں کہ ممتاز مفتی تو روحانیت اور تصوف میں قدرت اللہ شہاب سے کہیں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ اس کے لئے وہ انہیں وقت کے کسی صوفی کی سند میں لاتے ہیں۔

ٹن ٹن ......ذہن میں پھر ایک چوٹ پڑ رہی ہے۔ ''اسے مذاق نہ سمجھیں'' دل پسیج جاتا ہے، کم بخت ذہن ہی عیار ہوتا ہے، شاطر اور چاتر ہوتا ہے۔ سو حیلے بہانے اور مین میخ نکال لیتا ہے۔ دل کہتا ہے، سوچو۔ جس شخص نے سولہ سو صفحے کی یہ کتاب مرتب کر دی ہے، وہ بھوندو تو نہیں۔ اس نے کچھ دیکھا، جانا اور محسوس کیا ہے، تو یہ کام کیا ہے۔ یہ جتن کیا ہے، یہ عذاب بوگا ہے۔ وہ اس کیفیت سے گزرا ہے، اس حالت کو بسر کیا ہے۔

پڑھنے والو۔ ''اسے مذاق نہ سمجھیں ......'' یہ کتاب پڑھیں ممتاز مفتی کے ساتھ ساتھ ابدال بیلا کو بھی پڑھیں۔ کہیں سے مانگ کر۔ بے شک چرا کر۔ کہ یہ چوری گناہ نہیں ہوگی۔

اظہر جاوید

فروری ۱۹۹۹ء

بشکریہ ''تخلیق''

ہمارا فلوبیر

اگر یہ سچ ہے کہ شاعر پیدا ہوتا ہے' بنتا نہیں تو یہ بھی سچ ہے کہ افسانہ نگار پیدا ہوتا ہے بنتا نہیں۔ ابدال بیلا کی کہانیوں کے مجموعے ''رنگ پچکاری'' کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فطری میلانِ طبع اور ادبی جمالیاتی حس کا نمونہ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس کتاب کی کہانیاں بیانیہ واقعہ نگاری کے بہت قریب ہیں۔ لیکن دلچسپ طرز بیان' دلکش اسلوب اور جزیات نگاری' نے کہانیوں کو ایسی طرز نگارش سے مزین کردیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ موپساں کے بجائے رنگ پچکاری کا خالق فلوبیر کے اس قول پر عمل کر رہا ہے۔

''چھوٹی سی چھوٹی چیزوں میں ایسی باتیں ہوتی ہیں کو کسی کو معلوم نہیں' ہمیں ان کو دریافت کرنا چاہیے''

اور ''رنگ پچکاری'' کے خالق نے اپنے روزمرہ اور عمومی سچویشن کی کہانیوں میں انہی نفسیاتی اور رِفلکس ایکشن کی عکاسی کی ہے جو دقیق آبزرویشن کا نتیجہ ہیں' اور کہانی کو دلچسپ بناتے ہیں۔ ان کہانیوں میں کرداروں کے عمل اور ردِعمل کی مفصل عکاسی

کہانی کی واقعاتی مانوسیت اور تکرار کی اکتاہٹ اور بوریت کو قریب نہیں آنے دیتی اور قاری مکمل کہانی پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

''گفٹ پیک'' میں واقعات کے لحاظ سے ایک معمولی کہانی ہے جس میں ڈاکٹری کے دو طالب علم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔لڑکی کی شادی کسی اور سے ہو جاتی ہے۔اور لڑکے کو اپنی Semoitics کے جبر کے تحت بزدلی اور بے ہمتی کی وجہ سے منزل نہیں ملتی اور جب ملاقات ہوتی ہے تو لڑکی کسی اور ہو چکی ہوتی ہے۔

''میں نے تمہیں بہت ڈھونڈا'' میں نے جھوٹ بولا

''ڈھونڈا ہوتا تو مل جاتی''

''لبنیٰ ہر پرواز سے بے نیاز بیٹھی تھی جیسے وہ کوئی مسافر نہ ہو بلکہ کسی مسافر کا دستی سامان ہو''

''..........بنانے والے نے تمہیں گفٹ پیک کر کے بھیجا ہے''

یہ کہہ کر میں دل میں سوچنے لگا۔اللہ جانے کون اس گفٹ پیک میں سے اسے نکالے گا......''

اور پھر اختتامیہ جملہ: ''سارے گفٹ اپنی منزل پہ تھوڑی ہی پہنچتے ہیں۔'' اس نے اپنا بیگ اٹھا کے کندھے پہ ڈالا اور جھٹکے سے اٹھ کر شوہر کے پیچھے روانہ ہو گئی۔''

چھوٹی سی کہانی کو رنگوں سے مزین کرنے کا ایک منظر:

''اس کے اندر کہیں شوں شوں کی آواز ہوئی اور رنگوں کا انار سا چھوٹا۔اس نے بوتل میز پر رکھدی اور دونوں ہاتھ پھیلا کر سر کو بازوؤں پر رکھ کر بیٹھ گئی جیسے جانتی ہو کہ اس آتشبازی کی پھلجڑیاں دور دور تک جا سکتی ہیں۔ میں پھر گھبرا گیا کہ شاید یہ بات کچھ الٹی ہو گئی۔''

''وہ بڑی لمبی چوڑی لڑکی تھی' اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے کے لئے گردن کو اوپر سے نیچے تک پورا گھمانا پڑتا تھا۔ بہت کم ہی گردن پوری گھوم پاتی۔اکثر درمیان میں

کہیں نظر ٹھہر جاتی' ایسے میں وہ بہت شور مچاتی' بولتی ایک لفظ بھی نہ بس اس کے اندر ہی سوڈے کی بوتلوں کے ٹھک ٹھک ڈھکن کھل جاتے' بلبلے سے اچھلنے لگتے' چھینٹے اڑتے' شور مچ جاتا' رنگوں کی برکھا برسنے لگتی' میں بھیگ جاتا۔''

اس طرح کہانی کے خالق نے اپنے مشاہدے اور تمثال کی آمیزش سے کہانی کو دلچسپ بنا دیا ہے۔

''میٹھے انگور'' بھی واقعات کے لحاظ سے ایک معمولی کہانی ہے جس میں ایک مرد اپنے والد کے حکم پر بر دکھاوے کے طور پر جاتا ہے جسے اس کا علم نہیں اور لڑکی بغیر سامنے آئے ہوئے کواڑوں کی اوٹ سے اور دروازے کی درزوں سے اسے دیکھتی اور پسند کرتی ہے۔ انداز بیاں کی جھلکیاں:

''درزوں کے پیچھے جھانکتی آنکھوں کی چاند ماری نے میری مت ماردی''

''اندر ایک دم سے ندی میں پتھر گرنے کی آواز آئی۔ اندر کسی کے پاؤں کسی چیز سے ٹکرائے' چوڑیاں چھن سے بج کر خاموش ہوگئیں اور درز میں ایک آنکھ کی پتلی بنٹے کی طرح مجھ پر جمی نظر آئی۔''

''درز پر اس کی آنکھ تھی۔ اور اس آنکھ پر میری آنکھ آگئی۔ یہ منظر ایک لمحے کو رہا۔ جب میں نے آنکھ سے صرف آنکھ دیکھی۔ پھر طوفان آگیا۔''

کتاب کے تین اور افسانے کلکولیشن' شارٹ کٹ اور جینٹس وائلٹ والہانہ رومان اور محبت کے افسانے ہیں جو ہسپتالوں اور میڈیکل کالج کے تناظر میں عام افسانوں کی ڈگر سے ہٹے ہوئے ہیں مگر اختتامیہ پر ظاہرہ ناکامی بہت سے عام افسانوں کی طرح ہے اور زیادہ تر محبت کرنے والے مرد پارٹنر کی بزدلی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک ایسی بزدلی جو بورژوا طبقے کے معاشرے اور تہذیبی ماحول کی عکاس ہے۔ لیکن یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ افسانوں میں بہت سی ان کہی باتیں ہیں جن کا رخ نشانیات کے جبر کے تحت موڑ دیا گیا ہے اور اُن کے مدلول التواء میں ڈال دیئے

گئے ہیں۔

اس کتاب میں ایک افسانہ ''ناحق ہے جو ایک گونگے مزدور کی کہانی ہے جسے دو نبرد آزما پارٹیاں اس لئے زدوکوب کرتی ہیں کہ وہ لوگوں کے سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ ایک دردناک المیہ جو شاید کراچی کے شہر کی معصوم کُشی کی علامت ہے۔ ''زادِراہ'' اور ''معانقہ'' صوفیانہ فلسفہ اور اخلاقی اقدار کے زیر اثر لکھی ہوئی کہانیاں ہیں۔ اسی طرح دیہاڑی دار ہسپتال کے ایک محنت کش کی کہانی ہے جو ''فرض کی ادائیگی'' کو اپنی بیماری پر مقدم سمجھتا رہا۔ جب وہ نیم مردہ حالت میں سڑک پر گرا تو ایک خاکروب نے اُسے خیراتی ہسپتال پہنچایا۔ زندگی کا ایک رُخ جسے ہم نہیں دیکھتے یا دیکھنا نہیں چاہتے۔ بیانیہ اسلوب کے باوجود کہانیوں کی زبان میں شعریت نظر آتی ہے اور فکر میں تنوع۔

گیارہ کہانیوں کا یہ مجموعہ مطبع فیروز سنز لمٹیڈ لاہور سے پہلی بار شائع ہوا ہے۔ اور یہ کہانیاں تخلیقی ادب کی صف میں ایک مقام حاصل کرنے میں بہت کامیاب نظر آتی ہیں۔

فہیم اعظمی

(نومبر ۱۹۹۴ء)

بشکریہ ''صریر''

تمنا ہے میری

کثیر التصانیف اہل قلم ہیں
بفضلِ خُداوند، ابدال بیلا
طبیعت کو رکھتا ہے شاد اُن کی ہر دم
ہے اطراف ان کے کتابوں کا میلا
تمنا ہے میری کہ بن جاؤں راغب!
مَیں ابدال بیلا کا ادنی سا چیلا

راغب مرادآبادی
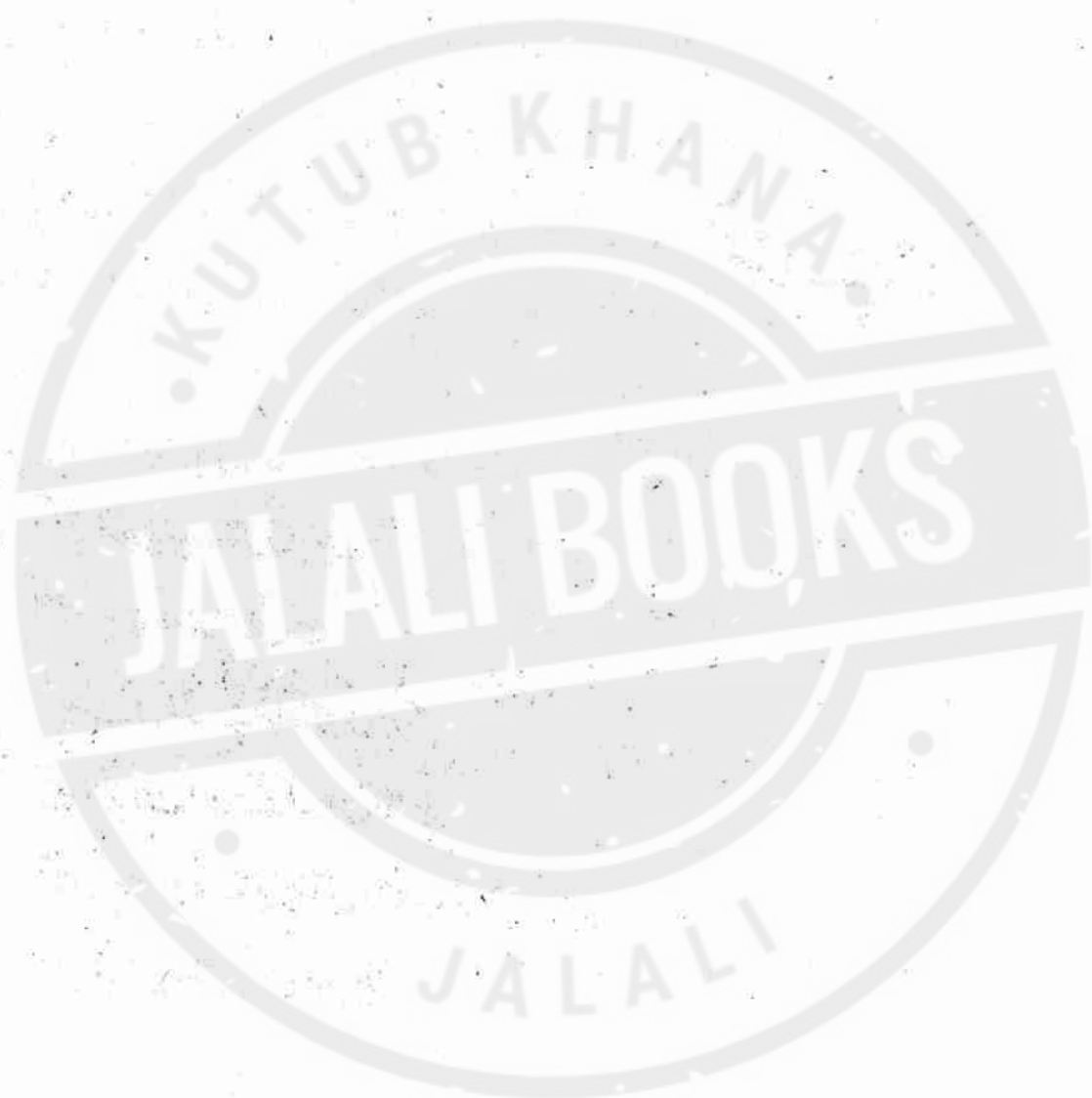
صاحبِ مشاہدہ

ابدال بیلا ایک منجھا ہوا کہانی کار ہے۔ اس کی کہانیاں زندگی کا وہ ہفت رنگ آئینہ ہے جس میں اخلاقیات، سماجیات اور سیاسیات کے متعدد رنگ تو ہیں لیکن ایک خاص چیز جو اسے دوسرے افسانہ نگاروں سے منفرد بناتی ہے، روحانیت کی ایک خاص لہر ہے۔

وہ ایک صوفی افسانہ نگار ہے جس کے یہاں زمین سے اوپر اُٹھ کر اُس سرمئی دھند کو چھونے کی سعی ملتی ہے، جہاں تک پہنچنے کی تمنا ہر صوفی کے یہاں ہوتی ہے۔ شگفتہ لفظوں میں چھپے ہوئے گہرے معنی، زندگی سے اس کی گہری وابستگی کا پتہ دیتے ہیں۔ وہ ایک صاحب مشاہدہ افسانہ نگار ہے جسے کہانی سنانے کا فن آتا ہے۔ اس کا اسلوب رواں، دلکش اور بامعنی ہے۔ کہانی کار مجمع جما لے تو اور کیا چاہئے۔ ابدال بیلا ایسا ہی کہانی کار ہے۔

رشید امجد
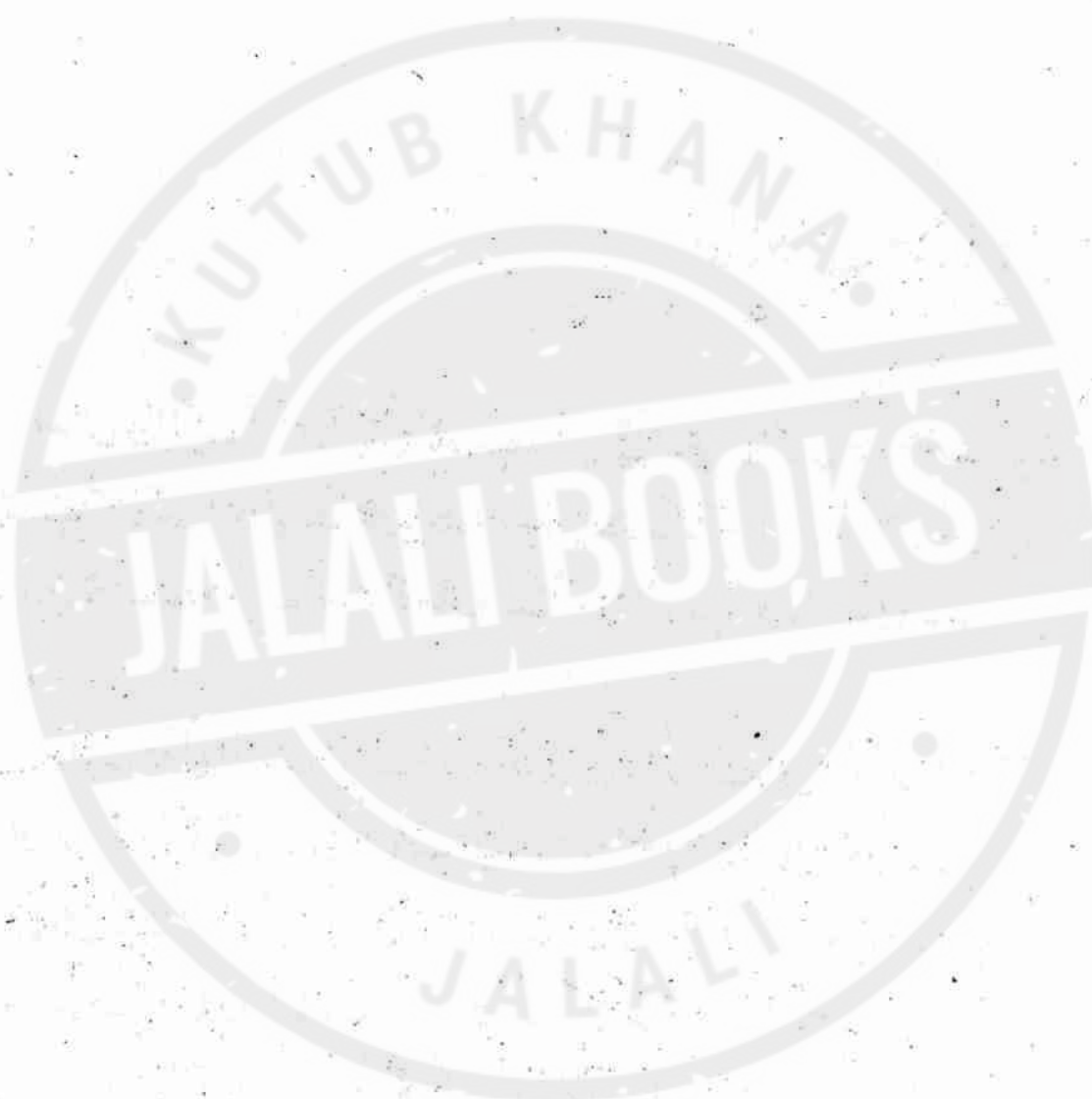
پاکستان کی کہانی' ابدال بیلا کی زبانی

ڈاکٹر ابدال بیلا' ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے' فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہے' معروف افسانہ نگار ہے' چار مجموعے' انہونیاں سن فلاور' رنگ پچکاری اور زیر لبی کے ناموں سے چھپ چکے ہیں۔ اس کی خوبصورت کتاب ''سن فلاور'' ڈینش اور سندھی زبان میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ آدھی درجن کتابیں تیزی سے اشاعت کے مراحل طے کر رہی ہیں۔ کیسا مرعوب کن تعارف ہے۔

اب حال ہی میں بیلا کا جو کارنامہ سامنے آیا ہے اس کی شخصیت اور سارے کام پر بھاری ہے' جی ہاں میری نظر میں اس کی نئی کتاب ''پاکستان کہانی'' ایک کارنامے سے کم نہیں' یہ فکشن کی کتاب نہیں' رپوتاژ ہے۔ لیکن جس واقع کو اس نے افسانوی انداز میں بیان کیا ہے' وہ واقعہ نہیں وہ معجزہ ہے' پاکستان کا قیام میری نگاہ میں گردش زمانہ کی ترتیب میں ہونے والا ایک واقعہ نہیں بلکہ یہ اعجاز ہے' کس کا؟ اسی کا اعجاز جس نے ایشیا میں ''سحر فرنگیانہ'' توڑ کر ایک عالم کو ورطہ حیرت میں گم کر دیا تھا۔ ابدال بیلا نے ''پاکستان کہانی'' کا انتساب بجا طور پر بانی پاکستان کے نام کیا ہے۔

کافی عرصہ پہلے پنجابی کے مشہور شاعر حنیف صوفی کی کتاب ''کنڈیاں چوں خوشبو'' چھپی تھی' اس کے انتساب نے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا' عبارت یہ تھی ''اس غربت دے ناں جنہوں کوئی وی حاکم میرے دیس چوں کڈھ نئیں سکیا'' اب ابدال بیلا کی ''پاکستان کی کہانی'' کھولی تو انتساب کی اس عبارت نے پھر سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ''قائداعظم کے نام جن کے لے کے دیئے ملک میں رہتے ہوئے میرا ان سے آنکھ ملانے کا حوصلہ نہیں'' قائداعظم ہمارے کیا ہیں؟ قائداعظم نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے؟ اور ہم نے قائداعظم کے ساتھ کیا کیا ہے؟ ان سوالوں میں درد کی وہ کہانی چھپی ہوئی ہے کہ بیان کروں تو ''پھر اشک نہ تھم سکیں گے میرے''۔

قائداعظم ہماری آج بھی ضرورت ہیں' نوٹ پر تصویر چھاپنے کے لئے' سرکاری دفاتر میں پورٹریٹ نصب کرنے کے لئے' ان کی پیدائش اور وفات کے ایام میں چھٹی کرنے کے لئے' ان کی یاد میں ہونے والے جلسوں اور سیمینارز میں تقریریں کرنے کے لیے' روح تہی عقیدت کے اظہار کے لئے' ان کی سوانح حیات لکھ کر حکومت وقت سے انعام واکرام حاصل کرنے کے لئے' ان کے ساتھ اپنے ذاتی تعلق کا حوالے دے کر میڈیا کے ذریعے شہرت حاصل کرنے کے لئے ...... وقس علیٰ ہذا۔ قربان جائیں اس عظیم قائد پر کہ اپنی قوم کی ضرورتیں' وہ آج بھی کما حقہٗ پوری کر رہے ہیں۔

جسٹس ایم آر کیانی نے اپنے اس جملے کے ذریعے طنز کا بڑا ہی تیز نشتر چبھویا تھا' لیکن ہماری قوم اسے بھی پی گئی۔ ''میں سوچ رہا تھا کہ تقریر کیسے شروع کروں سوائے اس کے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے' اور پھر کئی صدیاں چھوڑ کر اقبال اور قائداعظم پر نگاہ ٹھہرتی ہے''۔ آج ہمارا ہر لیڈر اپنی سیاسی دکان چمکانے کے لئے قائداعظم کی تعریف میں رطب للسان دکھائی دیتا ہے' یوں وہ خود کو محبّ وطن اور ''قائداعظم ثانی'' قرار دے کر اپنے آپ کو ان کا نائب نہ صرف یقین کرتا ہے بلکہ قوم و ملک کی نجات کے لئے بھی اپنی قیادت کو ناگزیر گردانتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ کیا وہ خود بھی قائد

اعظم کے نقش قدم پر گامزن ہے یا نہیں؟ قائداعظم قول سدید کی مجسم مثال تھے ان کی سیاست جملہ آلائشوں سے منزہ تھی' جبکہ ہمارا سیاستدان ریا کاری اور کذب کا پیکر ہے' قدم قدم پر اپنا بیان بدلتا ہے۔

ڈاکٹر ابدال بیلا نے ''پاکستان کہانی'' میں ہماری ملاقات اس قائداعظم سے کروائی ہے' جو واقعی عظیم قائد ہیں' ابدال بیلا نے قائد کے حوالے سے واقعات کو تاریخ وار بیان کرنے کی بجائے' اپنے محسوسات کی صداقت کے سہارے اپنی کتاب میں اپنے محبوب قائد کی تصویر کشی کی ہے' ہم نے تو وہ کیا ہے کہ ہم نے محسن کشی کی مثال قائم کر دی ہے' ہم نے تو وہ کیا ہے جو کوئی کسی دشمن کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ابھی صادق جذبے کے مالک ابدال بیلا ایسے لوگوں سے یہ مملکت خداداد خالی نہیں ہوئی۔ قائداعظم کے ساتھ بیلا کی والہانہ عقیدت کے آفتاب عالمتاب کو دیکھ کر مجھے پروفیسر جیلانی کامران کی بات یاد آئی، کہتے ہیں پچھلے بیس برسوں کے دوران قائداعظم کے ساتھ ہمارا ایک رشتہ پختہ ہوا ہے اور یہ رشتہ غیر شعوری رشتہ ہے اور ہماری بند آنکھوں کے پردے پر جو چہرہ جھلملاتا ہے' وہ صرف ایک چہرہ ہے۔ قائد اعظم کا چہرہ۔ پچھلے تیس برسوں کے تجربے نے آنے والی نسلوں کو قائداعظم نے اپنے غیر شعوری رشتے کا تحفہ دیا ہے'' (قائداعظم اور آزادی کی تحریک صفحہ 204)!

ڈاکٹر ابدال بیلا نے ''پاکستان کہانی'' کے ساتھ مجھے خط میں لکھا ہے ''عدیل! ''پاکستان کہانی'' کو تم نے صرف پڑھنا نہیں ہے' بلکہ پڑھانا بھی ہے آنے والی نسلوں کو یہ کہانیاں سنانا ہیں۔ میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہمارے بچے یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ ملک ہمیں کسی لاٹری میں ملا ہے' جو بھی قیمت ہمارے بزرگوں نے دی میں نے وہ پرائس ٹیگ لگایا ہے ڈیلی کیٹ اور کیپ اِٹ اپ کی پرچی چپکائی ہے تاکہ اسے ہینڈل کرنے والے اسے احتیاط سے ہینڈل کریں......''

ڈاکٹر ابدال بیلا نے پاکستانی قوم کو گولڈن جوبلی کے موقع پر ''پاکستان کہانی''

کی صورت میں ایک گرانقدر تحفہ دیا ہے، اس تحفے کا حق اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ ہم اس ملک کے ساتھ وفا کریں، یاد رکھئے! جن اقتدار کے پجاریوں نے اس وطن سے وفا نہیں کی، ان کا انجام بڑا ہی عبرت ناک ہوا ہے۔ کانٹا'' میں لکھا ہے ''ایک مرتبہ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں قرآن پاک اٹھا کر کہا تھا کہ ''اگر میرے دل و دماغ کے کسی بھی گوشے میں پاکستان کو دولخت کرنے کا تصور بھی موجود ہو تو خداوند کریم مجھ کو اور میرے افراد خانہ کو ایک ساتھ دنیا سے اٹھالے (صفحہ 246) اور دنیا جانتی ہے یہ ''دعا'' قبول ہو چکی ہے۔

آج پاکستانی قوم گولڈن جوبلی کی خوشیاں منارہی ہے تو ایک طبقہ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ ہمارے اعمال ایسے نہیں کہ خود کو خوشیاں منانے کا حق دیں، تو مجھے ان کے ساتھ اس حد تک اتفاق ہے کہ ہمیں اپنے اپنے اعمال و افعال پر نظر ثانی کرنی چاہئے'۔

ڈاکٹر ابدال بیلا نے اپنی اس ضخیم کتاب میں ایک بار پھر پاکستان میں بسنے والوں کو جھنجھوڑ کر بتا دیا ہے کہ یہ گھر نہ رہا تو تم بھی نہیں رہو گے۔

جمیل احمد عدیل

بشکریہ روزنامہ ''دن'' لاہور

۷۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء

آستانوں کا صلہ

کسی کتاب کے مطالعہ میں میں اصل متن سے پہلے شائع کیے جانے والے پیش لفظ، کا مقدمہ، تعارف اور تقریب وغیرہ یا تو سرے سے پڑھتا ہی نہیں یا پھر اصل کتاب کے مطالعہ کے بعد پڑھتا ہوں۔ ابدال بیلا کی کتاب ''زیر لبی'' کو دیکھا تو اس میں کوئی سفارشی چٹھی دکھائی نہ دی۔ ایک پیش لفظ تھا جو مصنف کا اپنا تجربہ تحریر کردہ تھا۔ میں نے سوچا کہ پہلے اس کو پڑھ لوں اس طرح شاید کام آسان ہو۔ لیکن آسان طلبی کی یہ کوشش میرے لیے سخت پریشانی بلکہ سراسیمگی کا سبب بن گئی۔ میرا خیال تھا کہ ابدال بیلا نے اس تحریر میں افسانہ نگاری پر روشنی ڈالی ہوگی۔ اور پھر اسی حوالے سے اس کتاب پر اظہار خیال کیا ہوگا لیکن یہاں تو بات ہی کچھ اور نکلی مجھے پتہ چلا کہ صاحب کتاب کو قلم کی امانت ایسے وسیلوں سے ملی ہے جو صرف احترام و تکریم ہی کا مرکز نہیں بلکہ تقدس و طہارت کے سارے تصورات بھی انہی سے وابستہ ہیں بلکہ یہی وسیلے ہمارے وجود اور ہمارے تشخص کے اصل سرچشمے بھی ہیں۔ بات ممتاز مفتی سے چلی اور اس ذات ذوالجلال تک پہنچ گئی جس نے ہم پر اپنی توحید سے پہلے قلم اتارا۔ جس نے

انسان کو وہ تمام تر علم عطا کیا جو اسے نصیب نہ تھا جس نے انسان کو علم موجودات کے تمام موضوعات و معروضات کے ناموں اور ان کی ماہیت سے آگاہ کیا اور جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم کی دولت بخشی۔ جو قلم ایک صاحب قلب کو ایسے وسیلوں سے ملا ہو اور جسے شعوری طور پر اس عطائے خاص کا ادراک و عرفان بھی حاصل ہو۔ اس قلم کی حرمت مستند ہے اور اسے بھی ایک طے شدہ حقیقت کے طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ صاحب قلم کو اس کی حرمت کا پورا پورا پاس اور لحاظ ہے اور یہ پورا پس منظر یہ پوری فضا اس صاحب قلم کے نظام فکر اس کے مسلک ہنر اس کے اسلوب تحریر اور اس کی تحریروں میں بین السطور رواں رہنے والی فکری رو کی بھی آئینہ دار ہے۔

بیلا کے پانچ افسانوی مجموعے شائع ہوئے ہیں۔

پیش لفظ کے بعد میں نے مطالعہ روک دیا اور جو کچھ پڑھ چکا تھا اسی پر غور کرتا رہا کچھ دیر بعد پہلا افسانہ پڑھا ''خوشبو''۔ میں اسے افسانہ ہی سمجھا تھا لیکن یہ افسانہ نہیں ایک ایسا فسوں ثابت ہوا جو مجھے اپنے ساتھ بہا لے گیا۔ میں نے اس کی ہر سطر کو کئی کئی بار پڑھا اور ہر بار ایک نئی کیفیت حاصل کی۔ یہ ''خوشبو'' میرے جذبہ و احساس اور میرے وجدان میں رچ بس گئی اس کا سبب صاحب تحریر کے الفاظ ہی ہیں وہ ذہنی و جذباتی فضا تھی جو حروف و الفاظ سے بلند تر سطح پر ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

''خوشبو'' کو پڑھتے ہوئے مجھ پر بار بار رقت طاری ہوئی۔

میرا جذب دروں بیدار ہوتا چلا گیا اور میرے خون میں شامل صوفی وجد و حال کی کیفیت سے ہمکنار ہوتا چلا گیا۔ شاید اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ مکہ مکرمہ اور سیاہ غلاف میں ملبوس خانہ خدا سے والہانہ عقیدت و محبت کے پس منظر میں تخلیق کئے جانے والے اس ستارے نے میری ان داخلی کیفیات کو متحرک کر دیا تھا جن سے میں ان دنوں اس بناء پر ہمکنار ہوں کہ مجھے اس دیار قدسی سے بلاوہ آ چکا ہے اور میں وہاں حاضری کی تیاریوں میں ہوں۔ میں اپنی خوش بختی پر نازاں بھی ہوں اس بات پر

حیران بھی کہ مجھ جیسے سراپا خطا انسان کو یہ سعادت کیسے عطا ہو رہی ہے اور یہ سوچ سوچ کر پریشان بھی ہوتا ہوں کہ اس بارگاہ میں حاضری کے وقت میں اپنے جذبات کیسے قابو میں رکھ سکوں گا اور اب ''خوشبو'' کے مطالعہ نے یہ بھی یاد دلایا ہے کہ اصل آزمائش تو اس وقت ہوگی جب اس بارگاہ عظمت و جلال کا آخری بار دیدار کر کے واپسی کا سفر اختیار کیا جائے گا۔

''خوشبو'' کے بعد میں نے مزید دو افسانے ''گلاب خان'' اور ''پھر کہو'' بھی پڑھے لیکن میں ان پر اظہار خیال کرنے کی بجائے اب صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں ابدال بیلا کو بہت قریب سے جانتا ہوں۔ ان کی ذات اور ان کا مسلک ہنر میری روح تک میں رچ بس گیا ہے۔ میں صدق دل سے یہ محسوس کرتا ہوں کہ قلم کا عطیہ اور تخلیق فن کا جذبہ ابدال بیلا جیسے لوگوں کا ہی حق ہے ہم جیسے لوگ تو صرف کاغذ کالے کرنے کی مشقت سے دوچار ہیں۔

امداد نظامی

بشکریہ جنگ، کوئٹہ
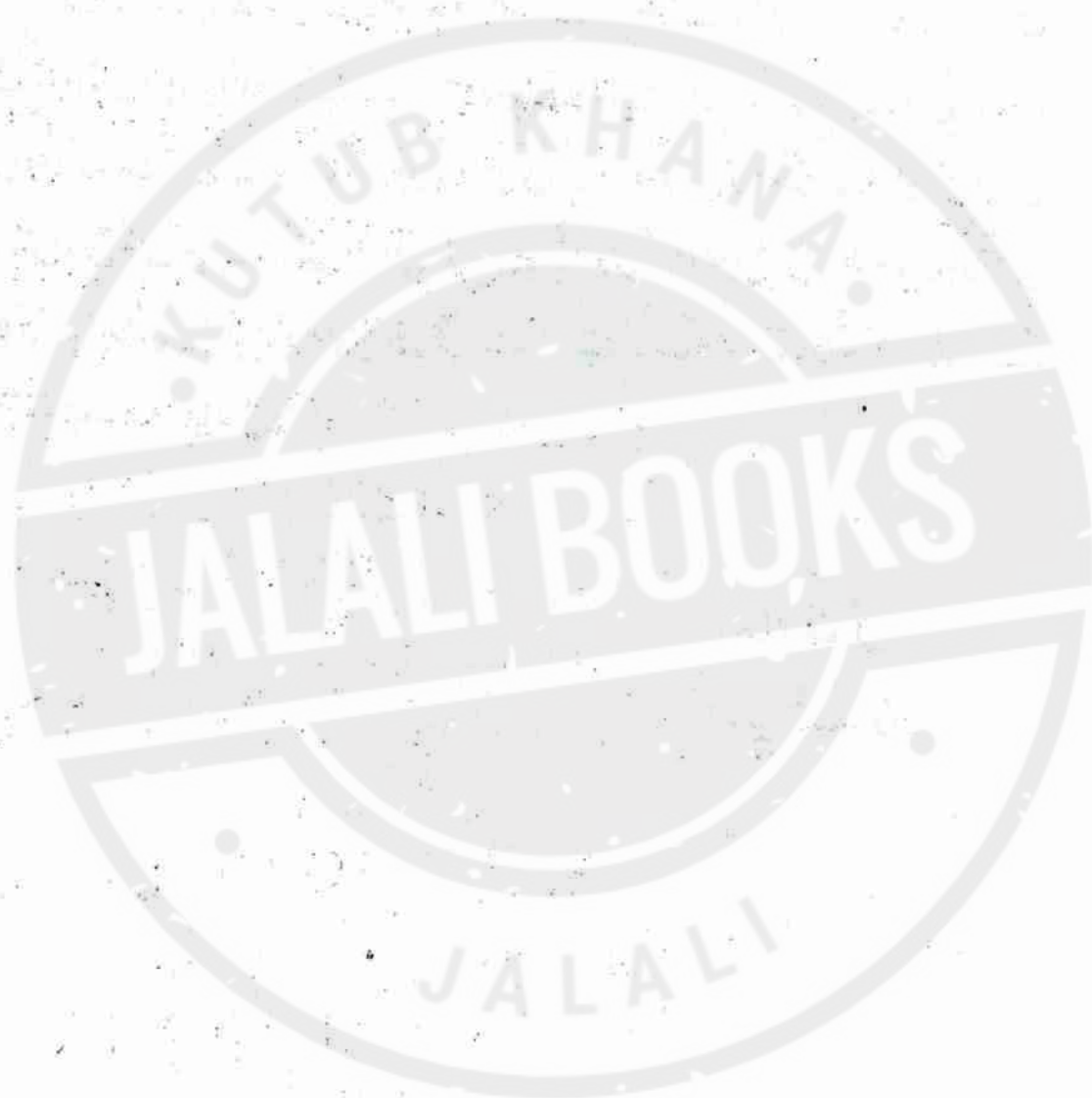
پیش لفظ

موسم ہر دھرتی کے اپنے ہوتے ہیں۔
کچھ پہ سبھی موسم آتے ہیں، گزر جاتے ہیں
کوئی زمیں ایسی ہوتی ہے جس پہ موسم گزرتے گزرتے رک جاتے ہیں،
ٹھہر جاتے ہیں۔ میرے وجود پہ بھی سبھی موسم آتے گئے۔
مگر برکھا رُت کی ایک رات ٹھہر گئی۔
آنے کو سردیاں آئیں
جاڑوں کے یخ بستہ ادھیڑ پن میں میرا رُوں رُوں جم گیا۔ میں منجمد ہواؤں میں سانس سانس بکھرتا رہا۔
ادھڑتا رہا۔
کچھ سانس سرد ہوا نے بادل بنا دیے۔
جاڑوں کی کچھ لی خنک سانسوں نے جسم کو حدت دے دی۔
موسم کوئی بھی سدا رہنے نہیں آتا۔

جاڑا آیا ضرور تھا
مگر رکا نہیں۔
گزر گیا۔
خزاں رُت اسی کے ساتھ آئی، گئی۔
خنک ہواؤں سے زرد پتے ہوا بکھرا وجود پھر ہرا ہو گیا۔
ان میں کونپلیں آئیں
میرے کانوں میں بہار کے شگوفوں نے سرگوشی کی۔
لو ہم آ گئے۔
موسم بدل گیا۔
برف کی تہہ سے ہری گھاس کی پتیاں مچل کے اٹھنے لگیں۔ اٹھتی اٹھتی اپنے پیروں پہ کھڑی ہو گئیں۔ گھاس کی پتی کے پاؤں پاؤں میں زمیں کی خوشبو کا جھانجر تھی۔
جھانجروں کی پائل پہ پھول آ گئے
پھولوں پہ رنگوں نے یلغار کر دی
اس یلغار میں مہک تھی۔
مہک جو لپیٹ لیتی ہے۔
میں مہکتی فضا میں لپٹتا گیا۔
مگر وہ رُت بھی چار دن ٹھہری
پانچویں دن موسم پھر بدل گیا
آسمان نے رنگ بدلا
زمین کی خوشبو نے کروٹ لی
کروٹیں بدلتی دھرتی دھوپ لے آئی۔
دھوپ میں سوا نیزے کا سورج تھا۔

میں دھوپ کے موسم میں
دھوپ میں رہا۔
سوانیزے میں پرویا
سورج کے نیچے سورج بنا
حیرت ہے۔
دھوپ بھی پالتی ہے
میں دھوپ میں پہلے خشک ہونے والے گیلے کپڑے کی طرح پھیلا ہوا تھا۔
دھوپ سہتا رہا۔
مگر گیلا رہا۔
حالانکہ گرمیاں ایسی تھیں
کہ لگتا تھا کبھی موسم نہ بدلے گا۔
کبھی سائے کا سائبان نہ آئے گا۔
سیک اتنا تھا کہ میرے شریر کا ذرہ ذرہ تپ گیا۔
تڑک گیا
دراڑیں پڑ گئیں
میں دراڑوں سے ڈر گیا۔
اس وقت مجھے احساس نہ ہوا کہ یہ دراڑیں رحمت ہیں۔ انہی میں اگلے موسم کا بلاوا ہے۔ نسل ہا نسل کے تسلسل کا وعدہ ہے۔
انہی میں آنے والی برسات کی بوند بوند نے سمانا ہے۔
انہی درزوں میں موجود مدت سے پڑے گرم ہوتے پسینے سے شرابور اگلی نسل کے اک اک بیج نے اپنی نم سانسوں سے جینے والی زندگی جینی ہے۔ انہی بوند بوند قطروں سے لینی ہے۔

یہیں سے تخلیق کا سفر شروع ہوتا ہے۔
جب بوند بوند پانی کا ذخیرہ
آسماں کے بادل سے بڑھ کے
کسی کی آنکھ میں اترے
تو تخلیق کی آبیاری ہوتی ہے

اور
قطرہ قطرہ مل کے پانی کے سفر کی وہ کہانی کہتا ہے
جہاں ہزاروں میل کا سفر
پہلی اس بوند سے
نکلتا ہے
جو
گیلی آنکھ کے بادل کو
نچوڑ کے رکھ دے
اور
چل پڑے
لو سفر شروع ہو گیا۔
کبھی
بوندا باندی
کبھی موسلا دھار
میں نے دونوں میں چھتری نہ کھولی
آنسوؤں سے بھیگتا رہا
سر سے پاؤں تک

دیوانہ وار

سیانے کہتے آئے ہیں
کہ سیانا بھی کوئی نہیں جانتا
کس بوند کی قسمت میں سیپ کا کھلا حلق ہو۔
سیپ بھی کوئی اپنی تقدیر سے آگاہ نہیں۔
آگاہی ہو بھی تو کون جانے وہ لمحہ
جب آنکھ بارش کا چھینٹا اڑے اور
سیپ کے ہونٹ کھلیں
بارش کا ایک قطرہ سیپ کے پیٹ میں پلے۔
سیپ اسے سینچتی رہے۔
اور لعل کی ماں بنے۔
اور دونوں کی ہیئت وہ نہ رہے۔
مگر یہ کون جانتا ہے؟
یہ تو وہی جانتا ہے۔
جس کے قبضے میں زمین و آسمان کی کنجیاں ہیں۔
بادلوں کے ریلے ہیں۔
بادشاہت ہے بارشوں کی
دریاؤں کا دل ہے
سمندروں کا سینہ ہے
اور تخلیق آور آنکھ کا آنسو ہے
اسی کے ہاتھ سے ہر سیپ کا منہ ڈھلتا ہے
کھلتا ہے۔

وہی وقت کی لگام تھامتا ہے۔
لمحوں کی گٹھڑی میں سمے باندھتا ہے
وہی پالتا ہے سب کو
بوند بوند پانی کو بھی
جب وہ آنکھ سے ٹپکا بھی نہ ہو۔
جب وہ سیپ کے حلق کے نیچے ہو۔
سب تعریفیں اسی کے لئے ہیں، صرف وہی ہے تعریف کے لائق۔
یہ تو اس کی دی ہوئی توفیق ہے
ذرا سی
بوندا باندی ہے
تھوڑے سے آنسو
کون جانے؟
کہ سیپ کے کھلے ہونٹ
آپ کی نگاہ کے پیچھے ہوں۔
جن میں کوئی ایک آنسو رک جائے
اور لعل بن جائے

ابدال بیلا

پیش لفظ-II

۲۰۱۴ء

یادوں کے آسماں پہ
گزرے لمحوں کی تصویروں سے لدے
عجیب بادل آتے ہیں
کبھی ان بادلوں میں ایسی گھٹا بھی آتی ہے
جس کے چھانے اور برسنے کا ابھی سمے نہ آیا ہو
یادوں کے آسماں پر
عجیب بادل آتے ہیں
کبھی برس ہا برس تک برستے ہی نہیں
بس گھن گرج کے ساتھ گرجتے رہتے ہیں
کبھی ان بادلوں سے اُف تک نہیں نکلتی
اور وہ برس برس کی زندگی بھگو دیتے ہیں۔
ان بادلوں کے برسنے اور گرجنے کے درمیان
اکثر
بے چین رتوں میں

یادوں کی چھت کے بادل
آسودگی اور دُکھ کی بولیاں لیے
قطرہ قطرہ لرز لرز کے آتے ہیں
جیسے دکھی بے بس آنکھ کے آنسو
بوند بوند
آسمان سے اترتے قطروں کی پھر
عجیب بوندا باندی ہوتی ہے۔
جس کا ہر ایک قطرہ
سوکھی بنجر پیاسی دھرتی چوس لیتی ہے
کہنے کو آسمان ٹپکتا رہتا ہے۔
دھرتی پیاسی رہتی ہے۔
بوند بوند گرتی یادوں کی طرح
کبھی حرف حرف لفظ زمین میں آتے ہیں
وہ گیلی گیلی روتی، ہنستی ساری باتیں
گیلے لفظوں کی بوند بوند میں پرو کے میں نے اکٹھی کر دی ہیں۔
گیلے لفظوں کی ناطقہ نافہ ناش ساری نمی
پڑھتے نینوں سے روح میں جا اترے تو
سمجھ لینا
یہی روح کی جسم میں بوندا باندی ہے۔

ابدال بیلا

12-ڈاکٹرز ٹاؤن، پی ڈبلیوڈی روڈ، او۔9، اسلام آباد

E-mail: abdaalbela@yahoo.com
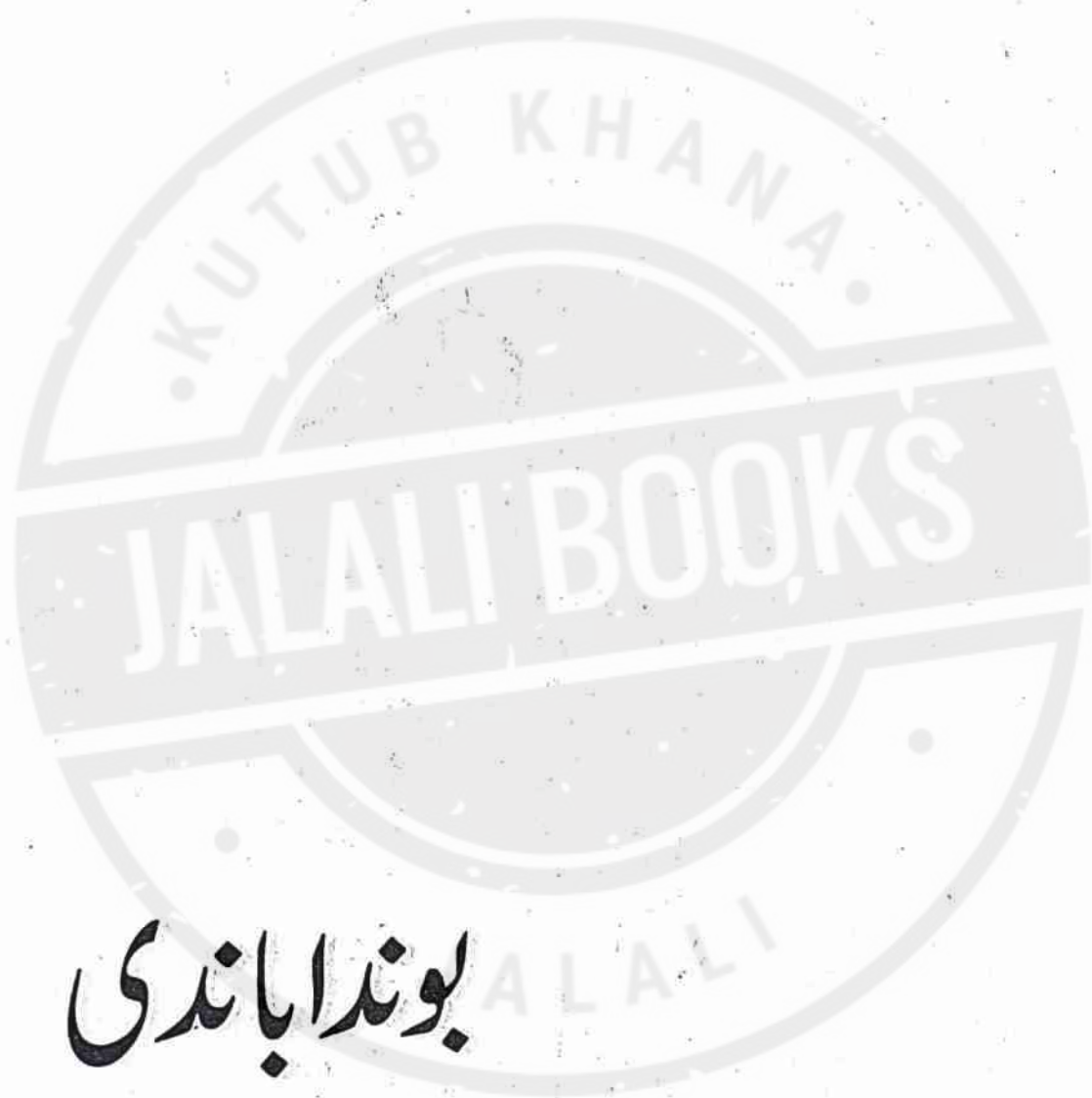
بوندا باندی

ابدال بیلا
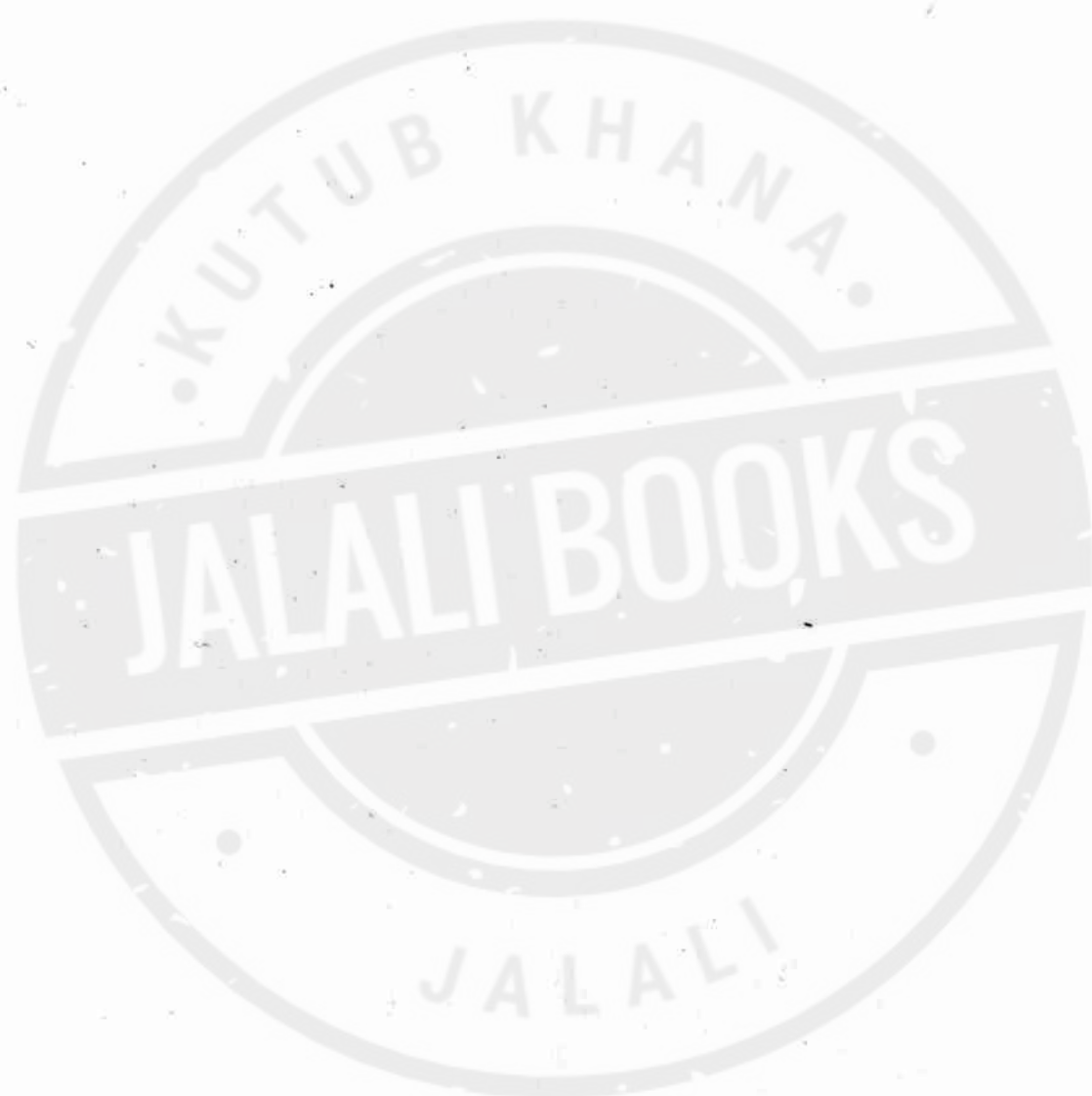
البم

ادھر آؤ
تمہیں اپنی البم دکھاتا ہوں
کچھ تصویریں ہیں میرے پاس

تیری
یہ کھینچی ہوئی نہیں ہیں
نہ میں نے انہیں کھینچا ہے
یہ تو الٹا مجھے کھینچے لیے پھر رہی ہیں
یہ تصویریں میں کھینچتا بھی کیسے
میری کیا وقت کے لمحوں پہ حکومت ہے؟
جن لمحوں کی یہ تصویریں ہیں
انہیں نے کھینچی ہیں
میرے پاس تو کوئی کیمرہ نہ تھا

ہوتا بھی تو میں کیوں اس کی آنکھ سے دیکھتا
کہ میری آنکھ کے دیکھنے کو تم جو ہو
ایک تو یہ تصویریں کیمرے کے بس کی بات نہیں
دوسرا یہ کہ ہر تصویر میں
ایک تو ہے
ایک میں ہوں
اور ہمارے بیچ کی کہیاں، ان کہیاں ہیں
لو
پہلی تصویر دیکھو
یہ تُو ہے اپنے دروازے کی دہلیز پہ کھڑی
ہولے سے در وا کر رہی ہے
اور دہلیز کے پار
یہ
میں کھڑا ہوں
میرا ہاتھ ابھی تک
تیرے دروازے کی کال بیل پہ رکھا ہوا ہے
دیکھ
تیری آنکھوں میں شہر بھر کے چراغوں کی
ساری لُو اکٹھی کی ہوئی ہے
اور
میرے چہرے پہ ایسی وارفتگی ہے
جو صحرا نشینوں کو نصیب ہوتی ہے

جب برس ہا برس کی دھوپ کے بعد انہیں
گھنی چھاؤں دکھائی دیتی ہے
دوسری تصویر تیرے پرانے گھر کے ڈرائنگ روم کی ہے
یہ تو بیٹھی ہوئی ہے صوفے پہ
اور اسی صوفے کے دوسرے کونے پہ میں ہوں
ہمارے درمیان کاغذوں کا اک پلندہ ہے
اور اس پلندے کے اوپر ایک چائے کا کپ ہے
تو چائے میں چینی گھمار ہی ہے
چمچہ ہلا رہی ہے
میں چائے کی پیالی پہ ہاتھ رکھے
اسے اٹھاتے اٹھاتے رک گیا ہوں
تیرا ہلتا چمچہ بھی تھم گیا
بس اسی لمحے تصویر بن گئی ہے
تصویر کے فریم میں
صوفے کے پاس سینٹر ٹیبل بھی ہے
جس پہ تازہ پھلوں سے بھری طشتری پڑی ہے
میں تصویر میں تجھے دیکھتا ہوں
تو میری آنکھوں میں شکر گھول رہی ہے
مسکرا رہی ہے
تیرے چہرے پہ تصویر میں نظر آتے
سارے میٹھے پھلوں سے زیادہ
مٹھاس بھری ہے

اور تصویر میں نظر آتا میرا چہرہ
اس مٹھاس سے لتھڑا ہوا ہے
تو اس تصویر پہ ہاتھ نہ رکھ
یہ میٹھی تصویر گرم جلیبی کی طرح چپچپا رہی ہے
تیسری تصویر دیکھ

یہ تیرا پرانا بیڈ روم ہے
تو اپنے بیڈ سے اتر کے بیٹھی ہے
سردیوں کے دن ہیں
ٹھنڈے دنوں کی یہ کوئی رات ہے
تو اپنے کمرے کے گیس ہیٹر کے آگے بیٹھی ہے
میں بھی ساتھ بیٹھا ہوا ہوں
دونوں قالین پہ بیٹھے ہیں
ہمارے درمیان دستر خوان بچھا ہوا ہے
اس پہ کچھ کھانے سجے ہیں
تو اپنی پلیٹ سے چمچہ بھر کے کچھ نکالتے ہوئے
کچھ سوچ رہی ہے
اک گھٹنا تیرا اٹھا ہوا ہے
اس پہ تیری ٹھوڑی ہے
تیرا چہرہ داہنی طرف جھکا ہوا ہے
اسی طرح جدھر میں ہوں تصویر میں
پر تُو تصویر میں مجھے نہیں دیکھتی
تو بیٹھی کچھ سوچ رہی ہے

تیری سوچ تیرے چہرے پہ لکھی ہے
لکھا ہے تصویر میں
تیری سوچ کا سارا بھید
تو سوچتی ہے
کیسے
اپنی پلیٹ سے نکالا ہوا نوالہ
میری پلیٹ میں رکھے
نہ رکھے؟
تصویر میں تو اپنا چہرہ پھر سے دیکھ
دیکھ تیری تصویر
تیری من بولی بولتی ہے
تیرے دل کے بول تیرے ماتھے پہ لکھے ہیں
تصویر میں میرے چہرے پہ لکھی
اک احمقانہ سوچ بھی دیکھ
میں تیرے ماتھے پہ اپنے نصیب کی ریکھا ڈھونڈتا ہوں
اس تصویر میں بس یہ سوچیں ہویدا ہیں
تو مجھ سے نظر بچا کے
مجھے سوچتی ہو
میں تیری نظر کو تک کے
تجھے سوچتا ہوں
باقی تصویر کے سب منظر
آؤٹ آف فوکس ہیں

لو اگلی تصویر دیکھ
یہ بھی تیرے اسی گھر کی ہے
اس تصویر میں تیرا چہرہ نہیں
تیری خوشبو فوکس ہوئی، ہوئی ہے

یہ ایک کمرہ ہے
ایک بستر بچھا ہوا ہے
میں اس پہ لیٹا ہوا ہوں
اکیلا
اور تیری خوشبو نے کمبل کی طرح مجھے لپیٹ رکھا ہے
اسی کمرے سے دروازے کے پار
تیرا کمرہ ہے
اور تو اپنے کمرے میں ہے

ہاں
تصویر سے پوچھ لو
کہنے کو تُو نظر نہیں آتی تصویر میں
مگر تصویر تیری موجودگی مانتی ہے
خدا جانے کیا کر رہی ہے تُو
اپنے کمرے میں
تصویر یہ نہیں بتاتی

بس
تیری موجودگی، تیری خوشبو تصویر پہ لکھی ہے
واقعی

تیری مہک
ابلتے ہوئے دودھ کی طرح
تیرے دروازے سے سرکتی ہوئی باہر
بہے آ رہی ہے
میں لیٹا یہی
ابلتی کیتلی سے گرتا
گرم دودھ
تیری خوشبو
پیئے جا رہا ہوں
اکیلا
لیٹا
یہ تصویر تیری خوشبو کے بہاؤ کے رخ کی کہانی ہے
اس تصویر کو دیکھ کے میں نے جانا
کہ تُو
اور تیری خوشبو
دونوں
سیال ہیں
دریا جیسے ہیں
جنہوں نے ہر حال میں
اپنی سطح برقرار رکھنی ہے
یہ ہر مائع پہ خدا کا لازم کیا ہوا قانون ہے
جس سے کوئی بہنے والی شے

بغاوت نہیں کر سکتی
(اس لئے تو اب تک
تذبذب میں ہوں)
تمہاری خوشبو اور
تمہارے قرب کے بہاؤ
دونوں کے رُخ کے سامنے میں ہوں
یہ تصویر بہاؤ کے رُخ کی بات کے علاوہ
میری بے بسی بھی سناتی ہے
اس پہاڑ پہ لکھی بدنصیبی
کی طرح
جو میٹھے پانیوں سے بھرے
دریا کے سفر میں
سامنے رکھ دیا گیا ہو
اور دریا رُخ موڑ کے نکل رہا ہو
خوشبو کے سفر کی داستاں ایسی طلسماتی ہوش ربا حسرتوں کی کہانیاں کہتی ہے
جنہیں سننے کی تمہیں تاب نہیں
نہ پھر سے سننے کا مجھ میں حوصلہ ہے
ایسی گزری ہوئی بات کہنے کا یہی نقصان ہے کہ مکرر کہتے سمے وہ گزری کہانی پھر
بیتنے لگتی ہے اور اس میں بھری حسرتیں لہو کی گردش میں دہکتے انگارے دھکیل دیتی ہیں
ان لمحوں کی یاد
استرے سے اتری ہوئی کھال پہ نمک پاشی جیسی ہے
مجھے میری کھال کے اندر سے

نکال کے
دھوپ میں رکھے ہوئے ہے
تو ایک بار پھر تصویر تو دیکھ
اور سوچ
کہنے کو تصویر میں خالی کمرہ ہے اور تنہا میں ہوں
لیکن
اس تصویر نے صرف تمہیں اور تیری خوشبو کو
فوکس کیا ہوا ہے
میرے جسم میں سر سے پاؤں تک کا سارا ابلتا ہوا لہو اور ان میں بھاگتے پھرتے
انگارے کیمرے نے آؤٹ آف فریم رکھے ہیں
یہ اگلی تصویر میری کار کی ہے
(خالی پچھلی سیٹ سے لی گئی)
تو میرے ساتھ بیٹھی ہے برابر اگلی سیٹ پہ
کار چل رہی ہے
دیکھ
باہر کے سارے منظر دھندلے ہیں
تین وجہیں ہیں
ایک تو باہر رات اتری ہوئی ہے
دوسرا یہ کہ گاڑی کی رفتار زیادہ ہے
مگر تیسری وجہ اک اور بھی ہے
اسی سے باہر نظر آنے والی چیزیں بھی
نظر نہیں آتیں

اندر اندھیرے میں اجالا ہے
اس کی صرف ایک وجہ ہے
تُو
اور صرف تُو
میں سٹیرنگ سے ہاتھ ہٹا کے
تجھے کوک کا ایک ٹھنڈا ٹین دیتا ہوں
تو پیئے بغیر رکھ دیتی ہے
میں پھر اٹھاتا ہوں
اور ایک انگلی ٹین کے تار میں ڈال کے
ٹھس اسے کھول دیتا ہوں
شوں شوں کرتی گیس اور کچھ مسکراتے لطیف میٹھے بلبلے
ابلتے ہیں
(جیسے تو مسکرائی ہو اور تیری آنکھوں سے رقیق شہد مٹھاس کے قطرے ابلے
ہوں)
ٹھنڈے یخ سے کوک کے ٹین پہ پسینہ ہے
میں تیرے کوک کے ٹین کا پسینہ پونچھتا ہوں
اور سامنے سڑک کی ٹریفک سے نظر بچا کے
کوک تجھے دیتا ہوں
تو بھی سڑک کو تکتی ہے
مجھے دیکھتی ہے
پھر کچھ سوچتی ہے
میرا ہاتھ کچھ لمحے یونہی

ہوا میں معلق

تیرے فیصلے کا انتظار کرتا ہے
تیرے کوک پکڑنے سے پہلے پہلے
کیمرے کا شٹر کھلتا ہے

بند ہوتا ہے
اسی لمحے تصویر بنتی ہے
دیکھ
تصویر میں میرے کوک دیتے ہاتھ کی اک آرزو ہے
تیرے ہاتھ کی انگلیوں کے کھلنے کا منظر
تیری سوچ بھی بتاتا ہے
دیکھ
کیمرے کا کمال دیکھ

لو
کچھ تصویریں میں چھوڑے دیتا ہوں
تو نے کئی بار انہیں دیکھا ہے
کسی میں تو صوفے میں دبی بیٹھی ہے
اور اسی صوفے کی کنی پہ میں بیٹھا
تیرے کندھے سے ٹیک لگائے
ترے لبوں سے نکلی کسی شوخ شرمیلی
سرگوشی سننے کے لئے اپنا داہنا کان
تیرے رخسار پہ رکھے ہوئے ہوں
تصویر میں ہمارے چہرے ٹھیک سے فوکس نہیں

شاید تصویر لیتے وقت کیمرہ ہل گیا تھا
میرا کان کچھ لمبوترا سا ہو کے
تیرے پھیلے ہوئے رخسار کی لالی
میں گڈمڈ سا ہو گیا ہے
ہاں تو نے جو سرگوشی کرنی تھی، وہ
تصویر نے محفوظ کر لی ہے
(چونکہ تمہیں وہ سرگوشی ابھی کرنی ہے، اس لئے
اسے تصویر میں پڑھنے کا فائدہ کیا)
آگے چل

ورق پلٹ
ٹھہر، یہ تصویر میں پھیلی ہوئی سیاہی
کیمرے کا نقص نہیں ہے
اس وقت واقعی ہمارے چاروں طرف
اندھیرا تھا
دور دور تک اتنی بھی روشنی نہیں تھی
کہ ہمیں وہ بتاتی
کہ اس اندھیرے سے نکل کے
ہمیں کس سمت راہ ملے گی
واقعی اس رات ہم راستہ بھٹک گئے تھے
اور آدھی رات سمے شہر سے باہر
ایک ویران کھنڈر کے پار
ایک قبرستان میں جا نکلے تھے

تو غور سے دیکھ
کہیں کہیں کالے بیک گراؤنڈ میں
جو سفید سفید
دھبے ہیں
وہ اس قبرستان کی قبریں ہیں
دیکھ یہ کیسی تصویر ہے
جو سٹل کیمرے سے بن کے بھی ویڈیو فلم کی طرح منظر چلا کے دکھاتی جاتی ہے
اندھیری اک پگڈنڈی پہ ہم برابر چل رہے ہیں
ہمارے دونوں طرف اونچی گھاس اور سوئے ہوئے
جنگلی گلاب جھاڑیوں کی خوشبو کے علاوہ
تیرے اندر کسی انجانے مسحور کن خوف کی مہک ہے
تو نے اپنے سینے پہ دونوں ہاتھ رکھے ہیں
جیسے ان کی دھڑکن تصویر میں ای سی جی
کی اونچی نیچی لہروں کی کوئی راز اگلتی لکیر نہ بنا دیں
مگر میرے دل کی دھب دھب، بار بار بنتے، ابھرتے، ڈوبتے دھبوں کی طرح
تصویر پہ درج ہے
تو رک گئی ہے
تجھے محسوس ہوا ہے کہ
اندھیری پگڈنڈی کے بیچوں بیچ
میں نے تیرے داہنے کندھے سے ذرا پیچھے
تیری گردن اور کمر کے بیچ کہیں
اپنا ہاتھ رکھ دیا ہے

دیکھ دیکھ
تصویر میں کیسے تیری ریڑھ کی ہڈی میں
متحرک پارے کا کالم ڈگمگاتا ہوا عجیب چمک کے ساتھ ایک دم سے اوپر اٹھا ہے
اور تیرے سر سے پیر تک ایسی عجیب
لہر جاگی ہے
کہ میں سہم کے رک گیا ہوں
حقیقت یہ تھی کہ میرا ہاتھ، تیری کمر کو چھونے والا تھا
مگر اس کے چھونے سے چوتھائی لمحہ پہلے
اس کا پیغام تو نے سن لیا تھا
وہ ہاتھ تصویر میں دیکھ
کیسے تیری گردن اور کمر کے درمیان
ہوا میں معلق
ہُوا کھڑا ہے
تیرا سانس زور زور سے چلنے لگا تھا
اور میں تیرے پہلو سے نکل کے ایکا ایکی میں
تیرے سامنے آ گیا تھا
اور دونوں ہاتھ بڑھا کے تیرے دونوں کندھے
تھام لئے تھے
تُو تصویر تو دیکھ
کیسے چھوئی موئی کے پودے کی طرح
تُو میرے ہاتھوں کے ذرا سے چھونے سے
گلاب کی بند کلی کی طرح

کپکپا کے
لرزتی ہوئی وہیں بیٹھ گئی تھی
اور جب میں بھی تمہارے گھٹنوں سے گھٹنا لگا کے
تیرے سامنے بیٹھا تھا
تو
تُو نے لرزتے ہاتھوں سے
میرے سینے پہ میری قمیض کے
اوپر کے دونوں بٹنوں کو پکڑ کے
اپنے ہاتھوں کی مٹھیوں میں بھینچ لیا تھا
اور اپنی ایڑھیوں سے اپنے جسم کا سارا وزن اٹھا کے
میرے سینے پہ ڈال دیا تھا
اس ویڈیو نما تصویر
پہ تصویر کا فریم ساکن ہے
اور تو میرے سینے پہ سر رکھے ایسے
دھونکی کی طرح سانسیں لے رہی ہے
جیسے پیتل کے برتنوں کو قلعئی
کرنے والے کے ہاتھ میں دبنے
ابھرنے والے، ہوا دیتے ہوئے چولہے کا حلق ہو
یہ اگلی تصویر بھی اسی اندھیرے قبرستان کی ہے
مگر اس منظر میں
ہم دونوں سے زیادہ فوکس
سنگ مرمر کے لبادے میں ملبوس

ایک قبر ہے
قبر کے سرہانے پہ تیرے اور میرے گروکا نام لکھا ہے
تو ہاتھ میں ایک چراغ لے کے آئی ہے
مٹی کا آٹھ آنے والا دیا
گھر سے تُو اس میں تیل اور روئی
رکھ کے لائی ہے
مگر تیرے پاس ماچس نہیں ہے
تو مجھ سے ماچس مانگتی ہے
میں جیب سے ماچس کی تیلی نکال کے جلاتا ہوں
ہوا کا ایک تیز جھونکا اسے بجھانے کی
سرتوڑ کوشش کرتا ہے
تو تیزی سے میرے ہاتھ کے گرداگرد
اپنے دونوں ہاتھوں کی اوک بنا دیتی ہے
(جیسے دعا مانگ رہی ہو)
تیرے ہاتھوں کی اوک میں ہمارا وہ
شعلہ
مرنے نہیں پاتا
اور تو اپنے مٹی کے دیئے کی
بل دے کے بنائی ہوئی پونی
تیل میں بھیگی
روئی کی کنی
کو جلا دیتی ہے

دیا جل جاتا ہے
اور ہمارے دونوں کے چہروں پہ
کالی گہری رات میں
دیے کی پیلی روشنی میں پھول اگ آتے ہیں
میں تیری آنکھوں میں دیے کی لو دیکھتا ہوں
تو دیے کی آنکھ میں میرے لہو کے تیل
کے جلنے کی خوشبو سونگھتی ہے
اس تصویر میں یہی منظر ہے
اور بڑا کلوز اپ کر کے دکھایا گیا ہے
حیرت کی بات ہے
اس تصویر میں تیرے دیے کی لو پہ سر مارتے ہوئے
پتنگے کے پروں کے جلنے کی مہک تک
واضح دکھائی دیتی ہے
لو آگے چل
یہ پہاڑی راستہ ہے
سردیوں کی یخ بستہ اک رات ہے
ہماری گاڑی برف سے اٹی اک
پہاڑی کی گود میں کھڑی ہے
رات کا پچھلا پہر ہے
سوئی ہوئی، ٹھنڈی جمی ہوئی رات میں
اس سڑک کنارے
اک پیلا بلب جل رہا ہے

اسی بلب کے نیچے ایک تھڑے سے
نیل گوں دھواں اٹھ رہا ہے
(اس دھویں میں کتنی آسودہ گرم زندگی ہے)
ہم دونوں اس چائے کے
کھوکھے پہ اک اک پیالی چائے کا
کہہ کے
ایک ہلتے جوڑوں والے
پرانے سے
تین ٹانگوں والے ایک بنچ پہ بیٹھے ہیں
جس کی چوتھی ٹانگ کی جگہ ایک بڑا سا پتھر رکھا ہوا ہے
تصویر میں
ہمارے آگے
ایک پہاڑی نوعمر لڑکا
ایک لوہے کی زنگ اور آگ سے
جل جل کے کناروں سے ٹوٹی خستہ ہوئی اک
انگیٹھی میں آگ کے کوئلے رکھ کے گیا ہے
کچھ کوئلے دہک رہے ہیں
باقی دہکنے سے پہلے انکار کا دھواں دے رہے ہوں
یاد ہے
اس انگیٹھی میں
آنکھیں بند کر کے پھونکیں مارتے ہوئے
میں نے تمہیں کہا تھا

ان کوئلوں کو دیکھ
جب تک کوئی کوئلہ
اپنے سر سے پاؤں
تک آگ کی بکل نہیں مارتا
دہکتا نہیں
وہ دھواں دیتا رہتا ہے
تو میرا پیغام سمجھ گئی
(کہ میں نے انگیٹھی کی نہیں تیری بات کی ہے)
پہلی بار تیری آنکھوں سے
انکار
کا دھواں ہٹا تھا
اور انگیٹھی میں پڑے ان جلے کوئلوں سے پہلے
تیرا انگ انگ سیک دینے لگا تھا
مجھے گرمی لگی یا تیرا کپکپاتا جسم گرم کرنے کا مجھے خیال آیا
کہ
میں نے اپنا کوٹ اتار کے تیرے کندھوں پہ ڈال دیا تھا
اور خود تجھ سے چپک کے بیٹھتے ہی
تیرے پہنے ہوئے
اپنے کوٹ کی
دونوں جیبوں میں ہاتھ دے دیے تھے
میرے کوٹ اور میرے ہاتھوں کے درمیان
تیرا وجود دہکتے ہوئے کوئلوں کی طرح

چیخ چیخ کے چنگاریاں اچھال رہا تھا
اس تصویر نے تیرے اندر کے لہو
میں بھرے انگاروں کی حدت کو
فوکس کیا ہوا ہے
جیسے کسی نے کیمرہ تیرے دل کے اوپر
سر سے پاؤں تک
خون دیتی ہوئی
رگِ عظیم میں رکھ کے تصویر کھینچی ہو
لو
اگلی تصویر میں تو میرے گھر میں ہے
پہاڑ بستی میں
پہاڑوں کی گود میں
ٹھنڈے میٹھے شور مچاتے دریا کنارے
بنے گھر کی خواب گاہ میں
میرے ہی بستر پہ لیٹی ہوئی ہے
اور میں تمہارے بستر کے
سرہانے زمین پہ گھٹنے ٹیکے
تمہارے نیم وا دہکتے انگارے جیسے ہونٹوں اور ناک کے شرمیلے نتھنوں سے
بھاپ دیتی سانسوں میں گال رکھے
سانس لے رہا ہوں
اس تصویر میں انہی گرم سانسوں کے باعث
کیمرے کا شیشہ
دھندلا گیا ہے

پوری تصویر میں یہ ملی جلی سانسیں ایک بادل سا بن گئی ہیں
اور اس کے ایک کونے میں تمہارا چہرہ
چودھویں کے چاند کی طرح
اسی بادل کے نقاب میں گھسنے کو ہے
جب کہ دوسرے کونے میں
تمہارے لیے ہوئے سانسوں کی دبیز تہہ میں
میرا سارا وجود چھپا ہوا ہے
لو
آخری تصویر آ گئی
تصویریں اس کے بعد کی بھی ہیں
مگر اس البم کے صفحے کچھ کم تھے
ساری تصویریں اس پہ چپکا نہیں پایا
یہ تصویر
تیرے گھر کی ہے
دیکھنے سے پہلے ہی کیوں اٹھنے لگی ہو
تصویر میں تم فون کی گھنٹی بجتے ہی اسے سننے کے لئے اٹھی تھی
پتہ نہیں فون کے دوسری طرف
کون ہستی تھی
جس سے باتیں کرتے کرتے
تم مجھے دیکھ دیکھ کے ایسے ہنسے جا رہی تھی
کہ تمہاری ہنسی صرف میں دیکھوں مگر فون کے دوسری طرف اس کی آواز نہ جائے
شاید ٹیلی فون کے تار کے پار
تمہاری کوئی شناسا ہستی

مجھے تمہارے پہلو میں بیٹھے ہوئے دیکھ کے تمہیں اندر سے چٹکیاں بھر رہی تھی
تم جانتی ہو
جب تم ہنستی ہو
تو
سارے شہر میں شیشوں کے برتنوں میں
بھونچال آ جاتا ہے
زلزلہ آ گیا
میری نسیں تن گئیں
میرے ہاتھ پاؤں کو کپکپی لگ گئی
(میں نے تمہیں اشاروں سے منع بھی کیا، ہاتھ جوڑے کہ نہ مسکراؤ، نہ ہنسو میں کمزور دل کا ہوں پہاڑ پہ بیٹھ کے پہاڑ کے اندر کا زلزلہ سہہ نہیں سکتا۔)
مگر تو نہ رکی
مسکراتی رہی
ہنستی رہی
مجھے ایسے تکتی رہی جیسے کنڈی سے لگی مچھلی کو ڈور تکتی ہے
پھر پتہ نہیں کیا ہوا
کیسے لپک کے میں نے
تمہیں اپنے بازوؤں میں لپیٹ لیا
فون کی تار بھی تمہارے ساتھ ہی لپٹتی گئی
تمہاری ہنسی بڑھ گئی
میری گرفت مضبوط ہو گئی
پھر خدا جانے کیا ہوا
تمہارے ہاتھ سے ٹیلی فون کا چونگا گر گیا

لٹکتی تار سے بندھے
تمہارے ٹیلی فون کے رسیور سے
ہیلو ہیلو کی کوئی موہوم سی آواز آتی رہی
مجھے کونسا ہوش تھا کہ پہچانتا آواز کس کی ہے
ایک لمحے میں صابن کی ٹکیہ کی طرح
میرا سارا وجود
تمہارے سر کے اک اک بال سے
تمہارے نرم پاؤں کے تلووں تک
ہو کے گزر گیا
تم بھی جھاگ بن گئی
تمہارے بال کھل گئے
تمہاری قمیض تمہاری کمر سے ہٹ گئی
اور تمہارا پورا کمرہ
ہمارے سانسوں کے
بگولے میں اڑ گیا
اچانک ٹیلی فون کے تار
سے بندھے لٹکتے رسیور کی
خاموش ہوئی آواز کو سن کے تم چونکی
اور تیزی سے میرے بازوؤں کے
حصار سے نکل کے
فون کو کان سے لگا کے سہم کے بولی
سوری، جانو، فون گر گیا تھا

تمہارا چہرہ ایک دم سے پیلا پڑ گیا
اور تم التجا کے انداز میں بولی
میری بات تو سنو
مگر شاید کسی نے دوسری طرف
فون بند کر دیا تھا
تم کچھ دیر فون کے خاموش ہوئے رسیور کو ہاتھ میں الٹتی پلٹتی رہی
اور پھر کھڑاک سے اسے فون پہ
رکھتی ہوئی بولی
میرے گھر میں شعلے اگا دیے نا۔
میں تمہارا مطلب نہ سمجھا
تم نے میرا چہرہ پڑھ لیا
اور بولی
میرے ہذبینڈ کا فون تھا
اس نے ساری ہماری سانسیں سن لیں
البم کی تصویر میں
یہ تصویر آخری ہے
جب تم فون پہ رسیور رکھتے ہوئے
مجھے دیکھ کے کسی عجیب فیصلے تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہو
تمہارے دل کا فیصلہ کیمرے کی آنکھ نہیں دیکھ پائی
اس لئے پوچھنا یہ ہے
تم نے کیا سوچا

O

راز فاش

یہ موسموں کی کہانی ہے
موسم بھی ہیں
کہانی بھی ہے
یوں ہر موسم کی اک کہانی ہے
ہر کہانی کے کئی موسم ہیں
میری بھی اک کہانی ہے
اس کہانی میں بھی کئی موسم آئے، گئے
ہر موسم میں دن اتنا ہی رہا
نہ ایک منٹ بڑھا، نہ گھٹا
دن میں چوبیس کے چوبیس گھنٹے رہے
ہر نیا دن زندگی میں کچھ نہ کچھ جمع کرتا رہا
مگر خود تفریق ہوتا گیا

جمع تفریق جاری ہے
یہی زندگی ہے
یہی سب کو پیاری ہے
اسی کو سارے جیتے ہیں
جو، جو جیتنا پڑے جیتتے ہیں
جسے ہارنا لازم ہو ہار دیتے ہیں
زندگی بھر کے سارے جیون میں
جو بھی بیتانا ہو
بیتتے ہیں
بیتاتے ہیں
مجھے بھی اس زندگی کی نعمت ملی
مجھے بھی ان موسموں سے گزرنا تھا
اک کہانی بننا تھا
ان گنت کہانیوں کو بننا تھا
بیتنا تھا کچھ بیتانا تھا
نہ میرا کوئی کمال ہے اس میں
نہ میرا کوئی قصور
جو بیتتی رہی، بیتاتا رہا
جو بیتاتا گیا، اسے بیتتا رہا
جو ہونا تھا، وہ ہوتا گیا
جو ہوتا گیا اسے ہی ہونا تھا
جو ہوا، ہو گیا

جو ہو گیا سو گزر گیا
اب گزرے لمحوں کو پلٹ کے کون پکڑے
بس سب کی ایک یاد باقی ہے
جیسے خواب دیکھا ہو
جیسے ہوا کا ایک جھونکا ہو
پر ذہن ہے کہ زندہ ہے
آنکھوں نے جو جو دیکھا
ہاتھوں نے جو جو دیکھایا
ذہن میں محفوظ ہوتا گیا
اک ڈائری سی بنتی رہی
ڈائری کی عبارتوں سے
سرگوشیاں میرے اندر گونجتی رہیں
ان کا ابلاغ صرف میرے لئے تھا
ان کا عذاب صرف میرے لئے ہے
میرے ہی سارے الفاظ میرے روبرو ہیں
میں اکیلا ان کا ہدف
مجھ سے میری شکایتیں ہیں
مجھی پہ ان کا احساس تفاخر بھی
کبھی یہ سرگوشیاں زیر لب ہیں
کبھی یہ بام دہل
میں ڈرنے لگا
کوئی اور نہ سن لے

میں ڈرتا رہا
سرگوشیاں بڑھتی رہیں
آوازیں آتی رہیں
آوازوں کے ہیولے بننے لگے
ہیولوں کے جسم بن گئے
جسموں کے چہرے ابھر آئے
چہرے سمجھ میں آنے لگے
پہچان ہونے لگی
شناسا ہونٹ ہلنے لگے
باتیں کرنے لگے
باتوں میں ملاقاتیں تھیں
ہر ملاقات کی تصویریں بھی
تصویریں اچھلنے لگیں
چلنے پھرنے لگیں
بھاگنے دوڑنے لگیں
ہنسنے لگیں، مسکرانے لگیں
میں پریشان ہو گیا
جیسے گواہوں کے ہجوم میں کوئی
عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ملزم ہو
میری تنہائی بڑھ گئی
شیش محل کے اک سنسان کمرے میں
آئینوں کے روبرو

ہزار ہا آنکھیں تھیں
میرے اندر دراڑیں پڑنے لگیں
میں کرچی کرچی ہونے لگا
شیش محل کا سارا شیشہ
میرا گزرا کل بننے لگا
جو گزار چکا تھا
جو گزر چکا تھا پھر سے گزرنے لگا
میری صبحیں، میری شامیں
شام اور صبح کے درمیان کی راتیں
جو گزر چکی تھیں مجھ پہ
جو گزار چکی تھی مجھ کو
پھر میرے روبرو تھیں
جس طرح سے گزری تھیں
اسی انداز میں گزر رہی تھیں
میں خود تماشا تھا
خود ہی تماش بیں تھا
تماشا دیکھتا رہا
میری فلم چل رہی تھی
بیتے ہوئے ہر ایک پل کی
ساری ریکارڈنگ
بیتائے ہوئے ہر ایک لمحے کی داستان ساری
لئے ہوئے ہر سانس کی کہانی

ہر کہانی کا لیا ہوا سانس
ہر سانس میں رکی داستاں
ہر منظر میرے روبرو تھا
فلم چل رہی تھی
اور میں تک رہا تھا
تکتا رہا، آنکھیں بند نہ کیں
کہ بند آنکھوں کا منظر بھی وہی تھا
میں دیکھتا رہا، سنتا رہا
کبھی فلم ریوائنڈ کرتا
کبھی فاسٹ فارورڈ
پلے کرتا
کبھی سلوموشن میں دیکھتا
کبھی خوش ہوتا
مسکراتا
قہقہے لگاتا
کبھی دل بھر آتا
دکھی ہوتا، سسکیاں لیتا
دھاڑیں مارتا، روتا
آنسو بہاتا
نہ خوشیاں دائمی تھیں
نہ غم ہی ہر سین میں تھا
میں منہ میں ہاتھ دیے، اپنے ہی ہاتھ کاٹتا رہا

کہ اگر نیند میں ہوں تو جاگ جاؤں
جاگ رہا ہوں تو بھاگ جاؤں
پر کہاں
نہ سویا تھا، نہ جاگا
نہ بھاگا
خود ہی حوصلے سے خود کے روبرو رہا
فلم چلتی رہی
تکتا رہا
فلم روکنے پہ قدرت تھی
ریموٹ ہاتھ میں تھا
مگر فلم آن رکھی
جاگتا رہا، دیکھتا رہا
فلم ایسی تھی، نہ اونگھ آئی
نہ سوسکا، نہ اٹھ کے کہیں جاسکا
خود سے بھاگ کے خود کو لے کر کہاں جاتا
خود کو چھوڑ کے بھاگنے کی طاقت نہ تھی
خود کو لے کر بھاگنے کے بھاگ نہ تھے
پھر فلم میری اپنی تھی
میں خود ہی ہیرو تھا
خود ہی ولن بھی
آواز میری تھی
قہقہے میرے تھے

سسکیاں میری تھیں
مسکراہٹیں میری تھیں
ڈائیلاگ میرے منہ سے کہے گئے
سکرپٹ تک میرے قلم کا لکھا تھا
کہانی میری اپنی تھی
مگر ڈائریکٹر تو کوئی اور تھا
پروڈیوسر بھی وہی تھا
سٹیج بھی اس کا تھا
اور بعد میں سمجھ آئی کہ ساری کہانی کا اصل سکرپٹ رائٹر بھی وہی تھا
پردے اٹھانے اور گرانے پہ بھی اس کا ہاتھ تھا
میں نے پروڈیوسر سے استدعا کی
تمہارے بنائے ڈرامے میں، میں کام کرتا رہا
تمہاری ہی مرضی سے
تمہارے ہاتھ میں پکڑی ڈور سے بندھا
میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتا رہا
مجھے اس ناچنے کا معاوضہ چاہیے
اپنے چہرے، اپنی آواز کی قیمت چاہیے
رائیلٹی چاہیے
پروڈیوسر نے مسکرا کے مجھے ایسا دیکھا
جیسے میں نے کوئی بچگانہ بات کی ہو
اور پھر میرے کان میں سرگوشی کی
تجھ میں تیرا ہے کیا؟

پھر اپنی بات جاری رکھی، اور کہنے لگا

چہرہ تم ہو تو پہچان میں ہوں

آنکھ تم ہو تو نظارا میں ہوں

آواز تم ہو تو بات میں ہوں

گیت تم ہو تو ساز میں ہوں

ساز تم ہو تو سنگیت میں ہوں

سنگیت تم ہو تو کان میں ہوں

گوشت تم ہو تو خون میں ہوں

خون تم ہو تو قلب میں ہوں

قلب تم ہو تو نبض میں ہوں

نبض تم ہو تو اس کی رفتار میں ہوں

قدم تم ہو تو مسافت میں ہوں

مسافت تم ہو تو منزل میں ہوں

سوچ تم ہو تو عقل میں ہوں

عقل تم ہو تو گیان میں ہوں

گیان تم ہو تو وجدان میں ہوں

وجدان تم ہو تو عرفان میں ہوں

عرفان تم ہو تو پھر میں ہی میں ہوں

مگر یاد رکھو

مٹی تم ہو اور کمہار میں ہوں

کھلونا تم ہو اور چابی میں ہوں

کٹھ پتلی تم ہو اور ڈور میں ہوں

اب کہو، رائیلٹی کس کی بنتی ہے
حق تلفی کون کرتا رہا
تم یا میں؟
بولو نا سمجھ، تم میں تمہارا ہے کیا؟
تم تو وہ ادھار ہو جو مجھے واپس لینا ہے
بولتے کیوں نہیں؟
میرے ہونٹوں پہ لرزا طاری ہو گیا
حلق سے آواز عنقا ہو گئی
رنگ پیلا پڑ گیا
ماتھے پہ تریلیاں آنے لگیں
وہ مجھے گہری نظروں سے یوں دیکھنے لگا، جیسے مالک مکان کرایہ دار کو دیکھتا ہے۔
اس کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ مکان میں رہنا ہے یا خالی کرالوں؟ ساتھ یہ دھونس بھی تھی
کہ مکان خالی کر کے کدھر جائے گا۔ رہنا تو پھر بھی میرے ہی محلے میں ہے۔
مکان میں رہو یا لامکان میں۔ وہ مسکرانے لگا۔
اب اس کی مسکراہٹ میں طنز تھا۔
ڈرنا آتا ہے تمہیں۔
ہر اس ہاتھ سے جس کی گرفت میں تیری گردن ہو۔
میری گرفت تو تو محسوس ہی نہیں کرتا۔
نہ میرا ہاتھ تمہیں دکھتا ہے۔
اسی ڈھیل سے تو ایسا ڈھیٹ بن جاتا ہے کہ خود ڈور بن کے دوسروں کو نچانا
چاہتا ہے۔
وہ پھر مسکراتا ہے جیسے نادان بچے کو دیکھ رہا ہو۔

اس کی آواز آتی ہے۔
خود کھلونا ہے اور دوسروں کو چابیاں بھرتا ہے۔
اپنے حصے کا ہضم ہوتا نہیں دوسروں کے نوالے اٹھاتا ہے۔
دوسروں کو لڑاتا ہے، فساد مچاتا ہے۔
اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔
صرف اس کی آواز آتی رہی۔
دو بوند تیرے جسم کا خون ہے فقط۔
جس کا تمہیں احساس نہیں۔
اسی میں ابال پالتا ہے۔
اپنی جاں کی حفاظت کے لئے میرے جہاں میں خون خرابہ کرتا ہے۔
او کم ظرف احسان فراموش!
تیری طمع کیسی ہے۔
جس تھالی میں کھاتا ہے اسی میں چھید کرتا ہے۔
سب بھول جاتا ہے۔
تمہیں یاد نہیں ہوتا کہ تو آیا ہے تو واپس بھی جانا ہے۔
اپنے جیسے ہزار ہا لوگوں کو جاتے تم نے دیکھا ہے۔
پھر بھی تمہیں اپنی واپسی کا خیال نہیں آتا۔
حیرت ہے۔
کیا ہے تیرے ہاتھ میں اس سفر کا زادِ راہ۔
کیا تیاری ہے تیری۔
کس گمان سے تو آئے گا واپس میرے پاس۔
کیا چہرہ اٹھا کے لائیگا۔

یہ دنیا بھر کو گدھ کی طرح نوچنے والی چونچ؟
پھر کیا توقع ہے تمہیں مجھ سے؟
میں تمہاری یہ غلیظ چونچ دھلوا کے پھر تمہیں شکار کے لئے چھوڑ دوں گا؟
تمہاری کوئی پوچھ گچھ نہ ہو؟
دیکھ......اپنا اعمال نامہ دیکھ۔
یہ تو نے خود لکھا ہے۔
خود اسے اٹھائے آئے گا۔
اپنے حصے کی آگ ساتھ لائے گا۔
تجھے جتنی بھی مہلت ہے، اسے ختم ہونا ہے۔
تجھے میرے روبرو آنا ہے۔
شرمندہ تھکا ہارا، ٹوٹا ہوا جب تو سامنے آئے گا تو مجھے احساس ہوگا
کہ کیوں تجھے ان قوتوں سے سجدہ کرایا، جنہیں استعمال کرنا تیری اوقات سے بڑھ کے تھا۔
یہ تیری چھوٹ نہ ہوگی۔
کہ تیرے جیسے کئی انسان، میرے بتائے راستے پہ سادگی سے چلتے ہیں، یہ وہ راستہ ہے جن پہ چلنے والوں پہ میرا انعام ہوا۔ جو تھوڑا کھاتے ہیں اور زیادہ کھلاتے ہیں۔
میری کائنات کو پیار کرتے ہیں۔
میرے ایک ایک بوٹے کو میرے بنائے ہر اک پتھر کو، اینٹ روڑوں کو، پہاڑوں کو، سبزہ زاروں کو، ندی نالوں کو، ریگزاروں کو، ساحلوں کو، سمندروں کو، چاند کو سورج کو ایک ایک انسان کو۔
ہر اک ذی روح کو۔

میرا جانتے ہیں۔
اس لیے ان سے پیار کرتے ہیں۔
ان سے پوچھ کے دیکھ۔
ان سے میری قسم لے کے پوچھنا۔
انہیں اس جہانِ رنگ و بو میں کس کے رنگ دکھائی دیتے ہیں اور ہر رنگ میں کس کی مہک آتی ہے۔
انہیں میں جتنی دنیا دیتا ہے، وہ اس سے بہتر چھوڑ کے میرے پاس آتے ہیں۔
وہ میری بنائی اس کائنات کو امانت سمجھ کے دیکھتے ہیں۔
سوچتے ہیں۔
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھتے۔
میرے نام کی مالا میں پھول چنتے ہیں۔
میرے رنگوں سے رنگ لیتے ہیں
وہ تو کامی ہیں۔
جس کام میں لگے ہیں، بس نبھائے جاتے ہیں۔
میں دیکھتا ہوں سب کے کام۔
اور کون ہے جو انعام دے سکے میرے سوا۔
ہے کسی کے پاس طاقت مجھ سے بہتر انعام دینے کی؟
ایسے لوگوں کو بہترین جزا دیتا ہوں۔
علم بھی حکمت و دانش بھی۔
کوئی سنبھال سکے تو قلم بھی دیتا ہوں۔
یہ وہ ہیں جن کا ذکر میں پچھلے لوگوں میں قائم کرتا ہوں۔
ہے کوئی انعام اس سے بڑھ کے؟

وہ میرے ہیں۔
میں ان کا ہوں۔
وہ مجھ سے ہیں۔
اور میں ان کی آنکھ ہوں، ہاتھ ہوں۔
تو بول۔
میری انگلی پکڑنی ہے یا اپنی خواہشوں کو شیطانی چرخے پہ کاتنا ہے۔
بس یہ اک فیصلہ تیرا ہے۔
تو جانتا ہے، کائنات بھر کی ساری مخلوق میں
تو انسان مجھے پیارا ہے۔
اور تجھی پہ حدِ ادب نہیں رکھی۔
صرف تجھے یہ اختیار ہے کہ میری مانے نہ مانے۔
بس یہی اک دوراہا ہے۔
یہاں سے دوراہیں نکلتی ہیں۔
ایک میری طرف آتی ہے۔
دوسری مجھ سے دور جاتی ہے۔
اس دوراہے کا اک سنتری بھی رکھا ہے۔
وہ ہے تیرا ضمیر۔
یہ اک شیشہ ہے تیرے اندر کی آنکھ کا۔
جو تیری ہر برائی سے دھندلاتا جاتا ہے۔
اب عیش کر
ادھر آ
نہ آ

تیرے پاس جتنی مہلت ہے
تیرے علم میں نہیں۔
مجھے معلوم ہے۔
اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ علم تیرے حق میں نہیں۔
مجھے جتنا درس دینا تھا، دے چکا۔
ایک ایک کر کے ایک لاکھ چوبیس ہزار استاذ بھیج چکا۔
آخری درس تجھ تک پہنچائے بھی صدیاں گزر گئیں۔
اب کوئی نیا سبق باقی نہیں۔
ابھی صرف امتحان ہونا ہے۔
اب سو یا رہ یا جاگ جا۔
میں آنکھیں ملتا، اٹھ کے بیٹھ جاتا ہوں۔
ہاتھ جوڑتا ہوں، گڑگڑاتا ہوں۔
کہ میرے پاس جتنی مہلت ہے میرے علم میں نہیں
تو جانتا ہے
پھر میں کیسے رسک لوں۔
ابھی تو، مہلت ہے۔
دیکھ میں سجدے میں سر رکھ کے تجھے پکارتا ہوں۔
مانتا ہوں۔
جانتا ہوں۔
کہ میرے جرم کیا کیا ہیں اور کیا کیا جرم مجھ پہ ہوئے
تو نے بھی اک فہرست بنائی ہوگی
میرے حافظے میں بھی یہ محفوظ ہیں

میرے کانوں میں ان کی سرگوشیاں ابھی تک گونجتی ہیں
بس اک کرم کردے
مجھے ان سرگوشیوں کو لکھنے کا فن دے دے
اک قلم دے دے
میرے اعمال کی سیاہی نہیں، اپنے گھر کے لبادے کی روشنائی اس میں بھر دے
کہ میں اپنے اندر کا سارا گردوغبار ایک جگہ ڈھیر کردوں
اور ایک گدھ کی طرح اپنے گزرے مردہ دنوں کی
پسلیوں میں اپنی چونچیں ماروں
اپنے گزرے دنوں
بیتی راتوں
وہ
گرمیوں کی دوپہریں
سردیوں کی شامیں
اور تنہائی کی راتیں
اپنی زیادتیاں، ظلم
جو کبھی مجھ سے ہوئے، کبھی مجھ پہ ہوئے
کبھی بیتے، کبھی بیتائے
وہ محبتیں جنہیں ڈھونڈتا رہا۔
وہ حسرتیں جو میری تلاش میں رہیں
وہ فاصلے جو عبور کیے
وہ حدیں جو توڑی نہ کبھی
سفر وہ جو کیے

مسافتیں وہ بھی جو کبھی نہ طے ہوئیں
اپنی زندگی کی کتاب کا اک اک پل
تیرے دیے قلم سے
لکھتا جاؤں
خود اپنے جرائم کی فہرست مرتب کر لوں
اپنے خلاف استغاثہ دائر کر دوں
پرچہ کٹواؤں
کہ مقدمہ نجانے کب پیش ہو۔
کب تیری عدالت سے میرا نام پکارا جائے
کب مجھ وعدہ معاف گواہ کی باری آئے۔
میں تیار رہوں۔
یوم حساب سے پہلے ہی
اپنے حساب بے باک کر جاؤں
جو بھی میرے راز ہیں۔
سارے فاش کر جاؤں۔

o
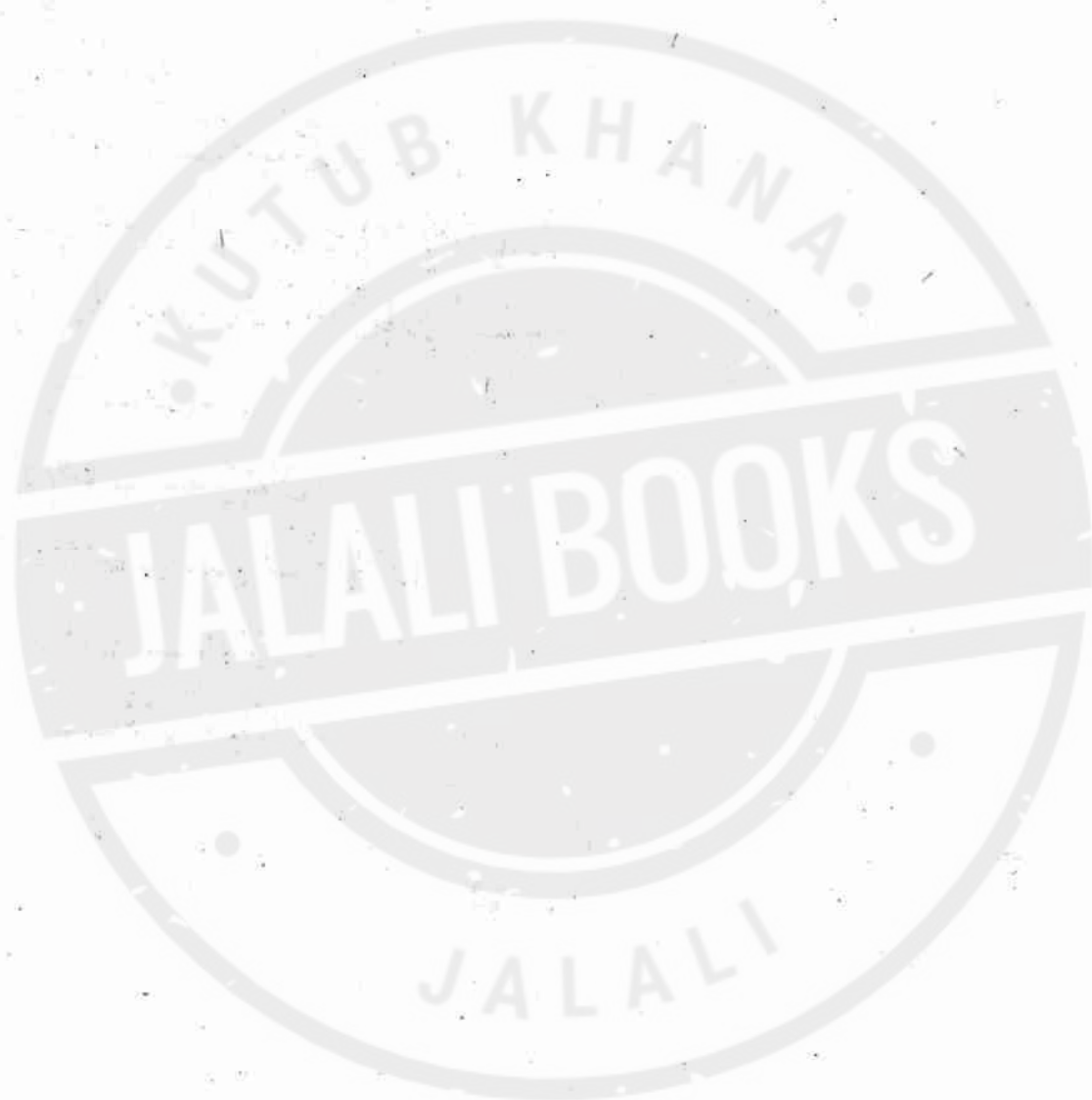
گدوئی

کبھی فرش پہ بچھا کے
تازہ پنجی ہوئی روئی سے بھری رضائی
کو
سوٹیاں مار مار کے
نگندے لگاتی عورتوں کو دیکھا ہے
ان کے ہاتھ میں ایک
کانی آنکھ میں
پروئے آنسو جیسے
دھاگے
والی ایک موٹی سوئی ہوتی ہے
(جسے گدوئی کہتے ہیں)

وہ

اَن سلے لحاف کے پیٹ میں پڑی
پھٹکی پھٹکی دھنی روئی
کی شریانوں سے یوں گزرتی جاتی ہے

جیسے
بیدار جاگتی
دہلیز پہ منتظر کھڑی
تنہا
اداس
کسی نرمل روح کے من میں سے
چپکے سے گزرنے والا
آسماں کے کیوپڈ کا وہ تیر ہو

یوں
یہ گدوئی
گھس کے گھستی
اندر ہی اندر
ٹانکتی
پروتی
سیتی جاتی ہے
اور پتہ ہی نہیں چلنے دیتی
کب دو کھلے کپڑوں میں پڑے
دھنکی روئی کے بکھرے ان گنت گالے
یک جان ہو کے

پہاڑ جیسے جاڑے کے موسم
کی ڈھال بن جاتے ہیں
کبھی
تو بھی ایسے آئی تھی
اور میں نے تیری محبت کو
اپنے نصیب کی ساری سرد ساعتوں میں
لحاف بنا کے رکھا تھا
پھر
خدا جانے
کب موسموں کا رُخ بدلا
سردیاں تو باقی تھیں
پر تو بچھڑ گئی
ایکا ایکی میں تم نے
اپنے سارے دھاگے کھینچ لئے
میرے بخت کے سارے بخیے
ادھڑ گئے، تو چلی گئی
اور میں جاڑے کے موسم میں
ٹھٹھر گیا

O
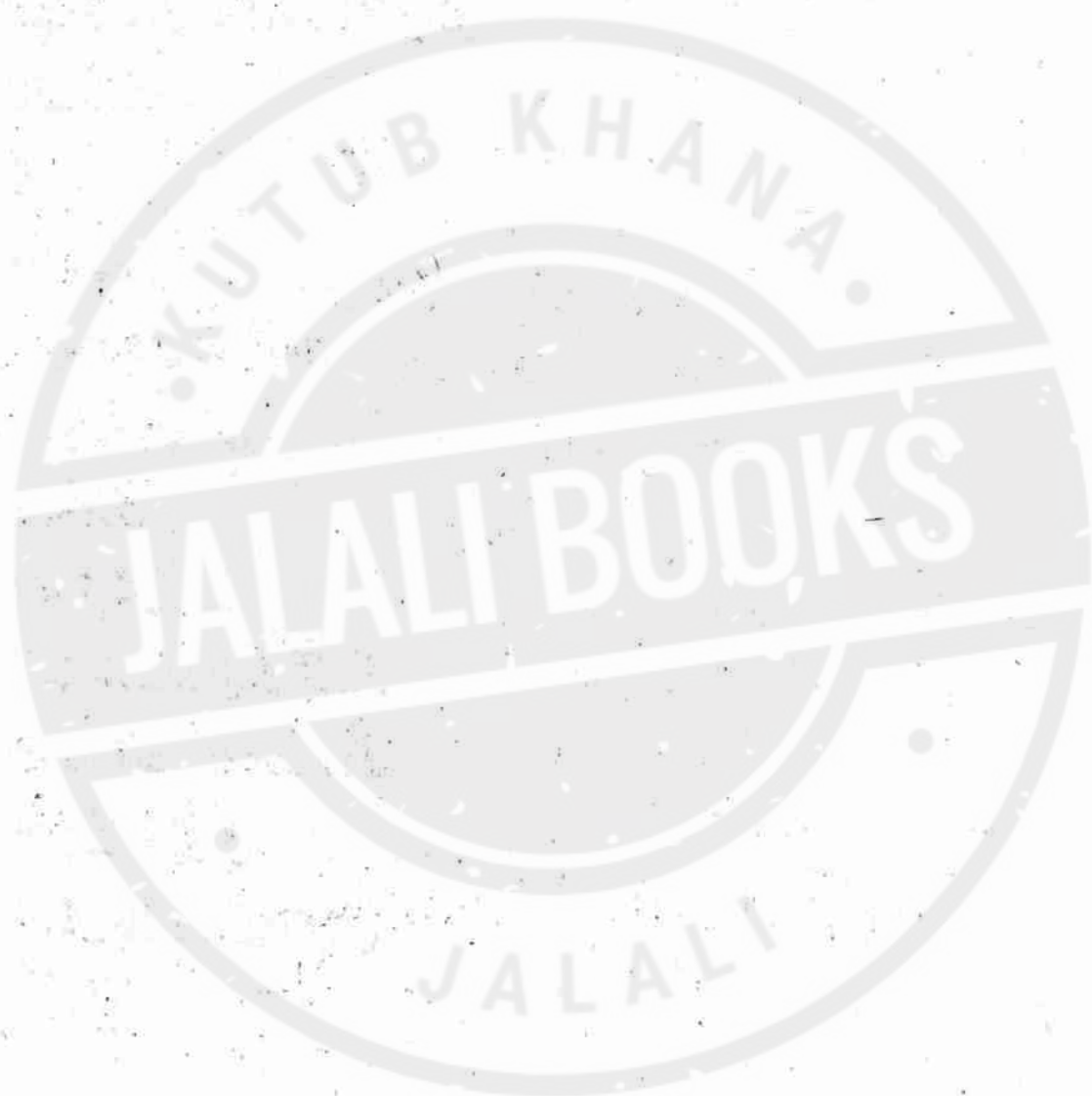
تم کو معلوم نہیں

تم کو معلوم نہیں
تم کیا ہو
کیا ہے تحریر لکھی تیری جبیں روشن پہ
کیسے روشن ہوا تیرے ذہن کا شہر
کیسا شہر ہے تیرا
کہ بھرا ہے سارا
تیری باتوں کی مہک سے
تیری خوشبو کے لمس سے
یہ تیرا شہر ہے یا شہد سے لدا آم کا پیڑ
جس کے پھل بھی ہیں میٹھے
اور مٹھاس سے لدی ہے چھاؤں
ایسی چھاؤں میں بھی تو دھوپ کی طرح چمکے ہے

اور تیری دھوپ بھی ہے کیسی الگ
انہونی
کہ آنے والے مسافر کو سکوں بخشے ہے
سکوں بھی ایسا
کہ سو جائے مسافر
بھٹک جائے تیرے رستوں میں
تیرے رستے ہیں نرالے کہ نہیں ہوتی یہاں دھول
جیسے سمندر کی گزرگاہ ہو
اور گزرگاہوں کا سمندر
وہ جہاں اتر جائے تھکن
مل جائے امن
تم نے دیکھا نہیں وہ بدن
جو تیرا تھا
جس سے خوشبوؤں کا ایک طوفاں ابھرا تھا
اک ذرا سی جنبش سے
وہ جنبش جو ابھی ہونی ہے
اور جو ہونی ہے
اسے ہونا ہے
یہ تو قسمت میں لکھا ہے
لکھا ہے تو مسافر کی قسمت میں سفر ہے
وہ مسافر جو تمہیں سننے آئے گا
وہ مسافر جو تمہیں سننے آیا تھا

اپنی خاموشیاں ساتھ اٹھالایا تھا
کہ تم کو بھر لے ان میں
اور پھر مدتوں اپنی تنہائیوں میں صدائیں سنے
وہ صدائیں جو ابھی آنی ہیں
رکے ہوئے تیرے تار تار تاروں سے
یہ تاریں ہلیں تو
ہلیں گے پہاڑ اپنے قدموں سے
زلزلے ابلیں گے
طوفاں مچلیں گے
تو بات کرے گی
اور گریں گے تیری باتوں سے گلاب
تیرے رخسار
تیرے لب، تیری آنکھیں
تیری وہ باتیں بھی کہہ دیں گے
جو نہ تم نے کہی ہوں گی
مسافر تو سنے گا
اور کہے گا فقط اتنا ہی
کہ تو خود ہی اک شہر ہے
شہر بھی ایسا طلسماتی
کہ توبہ توبہ
کہ تیرے شہر میں روشن ہے چراغوں بھری رات
رات کے سینے پہ کھڑا چمکتا ہوا چاند

چاند بھی ایسا کہ بھرا چاندنی سے ہونٹوں تک
کہ چاند بات کرے اور گرے چاندنی
جیسے چاند کٹورا ہو۔ اور چاندنی ہو دودھ
تم دودھ کے کٹوروں کو کیوں سنبھال سنبھال رکھتی ہو
ہر مسافر سانپ نہیں ہوتا
تم تو وہ شہر ہو
جسے دریافت کرنا ہے
جیسے امریکہ کو کیا تھا کولمبس نے
مگر شہر ہو تم عجب ہوش ربا
شہد سے بھرا
وہم وگماں سے دور
کوہ قاف میں بنا ہوا
جس کی تلاش میں اب تک
گئے وقتوں کے شہزادے
اپنے گھروں سے نکل نکل کر آئے
اور پتھر بن گئے
میں بھی اک پتھر ہوں
تیرے رستے میں ہوں
روکنے کے لئے نہیں
تیرے چلنے کے لئے
کہ تو چلے اور میں رستہ بنوں
یہ پتھر تیرے لئے ہیں

مگر تو اتنا اقرار تو کر
کہ تو ہی وہ اپسرا ہے
طلمساتی حور
جو مسافروں کو پتھر بنا کے چن دیتی ہے
اپنے ماضی کی دیواروں میں
چلو چن لو۔
پھر چاہے چن دینا
مگر یہ کیا
تم خود انارکلی بنی بیٹھی ہو
اپنے ہی فیصلوں کے کارن سے
خود اپنی فصیلوں میں چنی بیٹھی ہو
کیا شہنشاہ، شہزادہ اور کنیز
تینوں ہی
تیرے اندر چھپے بیٹھے ہیں
عشق بھی جاری ہے اندر اندر
اور اندر ہی دربار لگے ہیں تیرے
تو کیا اپسرا ہے یا کوئی محل سرا؟
تو اپنی ہی عاشق تو نہیں ہے کہیں چپکے چپکے
چوری چوری
کیا پتہ تو خود سے ہی عشق کئے جاتی ہو
تمہیں حق ہے
قدرت ہے تمہیں اپنے شہد شہر کے ہر شیش محل پہ

مگر اپنے قلعے خود ہی تاراج نہیں کیئے جاتے
یہ تو فصیلیں ہیں
محافظ ہیں تمہاری
غیروں سے
مگر دروازے اس کے سبھی پہ بند نہیں کیئے جاسکتے
دروازے اسی لئے ہوتے ہیں کہ کوئی اپنا گزر آئے
ورنہ غیروں کو روکنے کے لئے قعلے کی فصلیں کافی ہیں

نہ
خود سے عشق نہ کرنا
ورنہ تمہارے اپنے ہی قلعے میں جنگ ہوگی
مہابھارت کی طرح
اندر ہی اندر بغاوتیں ہوں گی
جیت تو شہنشاہ ہی کی ہوتی آئی ہے
مگر وہ جو جانِ شہر ہے
تیرے اندر کی شہزادی۔
اسے انارکلی نہ بننے دینا
اسے اپنے ہی ہاتھوں اپنی فصیلوں میں نہ چن دینا

نہ
شہنشاہ کے لبادے چھوڑ
انارکلی کو آزاد کر
دیواروں سے نکل آ
ماضی کے مزاروں سے نکل کے دیکھو۔
اپنے شہد بدن

شیریں دہن
اور تیز ذہن کو دیکھو
کونسی نعمت ہے جو تم میں نہیں ہے۔
پھر کیوں وقت کے آگے سر جھکائے بیٹھی ہو
اٹھو

آج تیرا ہے
آج وہ ہے جس پہ تم نے آنے والا کل بنانا ہے
میں یہ نہیں کہتا کہ تفاخر سے ہو تیری گردن اکڑی

نہ
یہ بھی نہیں کہ خود کو معمولی ذرہ سمجھو
چلو مانا۔
ذرا دیر کو تمہیں ذرہ مانا۔
پھر یقیں رکھنا
کہ تم ایسا ذرہ ہو
جو پھٹ پڑے تو شہر لرزیں اور دھرتی میں دراڑیں ہوں
جو تڑپ جائے تو پہاڑوں کی قضا آئے
قضا بھی ایسی
کہ قضائیں جس سے مانگیں قضا
قضا بھی وہ
جس کی کوئی قضا نہ ہو

o
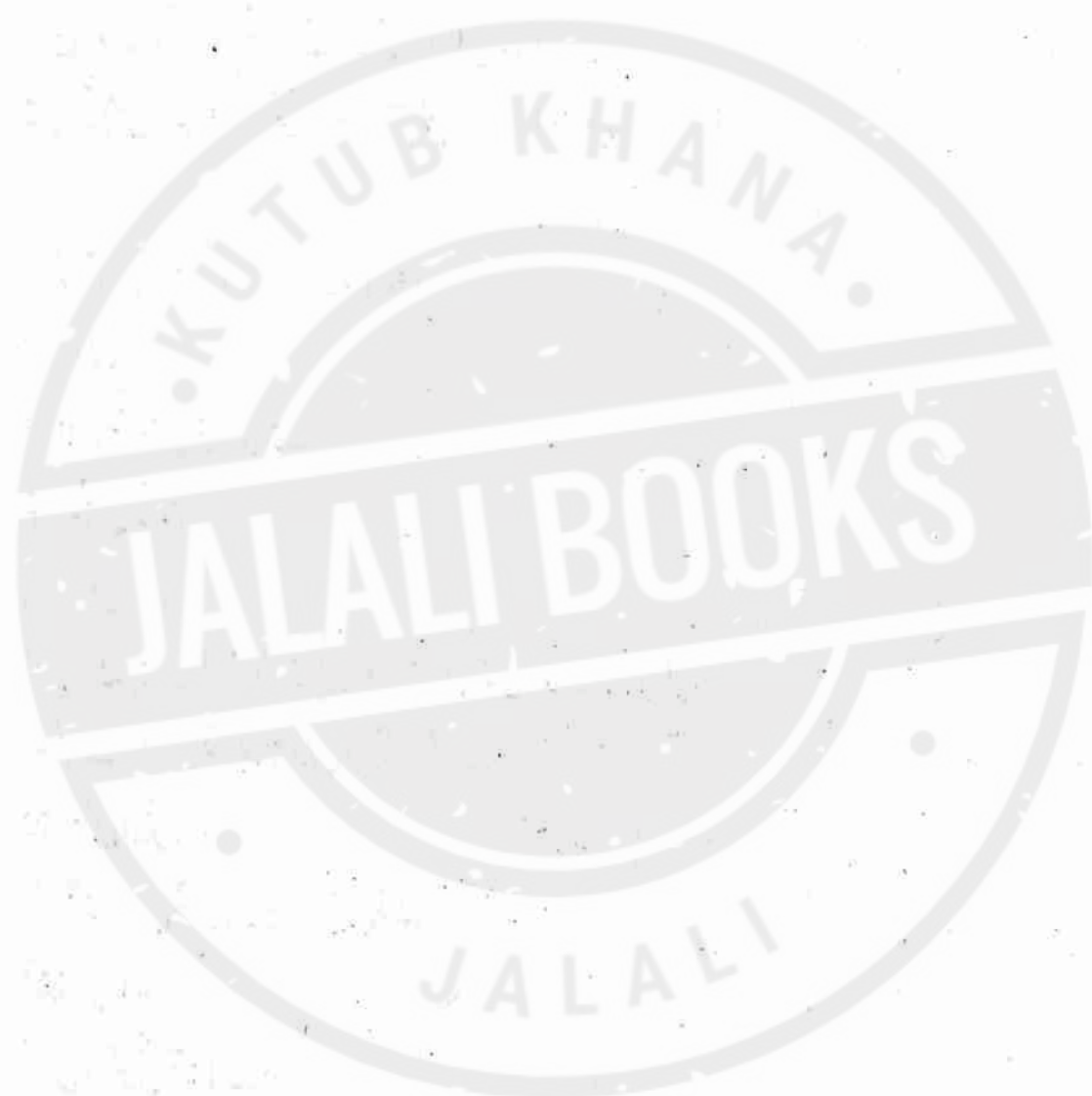
آنکھیں چرانے کا موسم

ٹھہرو
تمہیں بتاتا ہوں
کہ تیرے چہرے میں کتنے روپ ہیں
اور کونسا روپ سب سے سندر ہے
تم اپنا چہرہ دیکھتی رہو
میری آنکھوں میں
میں آنکھیں نہیں گھماؤں گا

تم چہرہ نہ ہلانا
آنکھیں نہ چرانا
ٹھیک؟
یہ دونوں ہاتھ میرے ہاتھوں میں دو۔

دے دو۔

دونوں ہاتھ
دونوں ہاتھوں میں
ہاں ایسے ہی
رہنے دو
نہ چھڑاؤ
انہیں اپنے قلعے کی فصیل نہ بناؤ
مانتا ہوں
یہ پہرہ دیتے ہیں
تمہاری فصیلوں کے اندر پکی ہوئی فصلوں کا
مگر میرے ہاتھ تو دیکھو
پہچانو
یہ کوئی یلغار نہیں ہے دشمن کی
یہ دوست کے ہاتھ ہیں
اور تمہارے قلعے کی فصیلوں کے اندر
تمہارے محل کے پائیں باغ میں
ہر پھل دار شجر کی ٹہنی پہ
ان کا نام لکھا ہے
یہ ہاتھ تیرے پھل پھول توڑتے نہیں
سجانے آئے ہیں
آؤ!
مل کر ان پکی فصلوں کا جشن منائیں
ان مہکتی کھیتیوں کے ان چکھے ذائقے

چکھیں
تم ان ذائقوں کے نام پڑھنا.
میری آنکھوں میں
اور میں تمہیں تمہارا مہکتا چہرہ دکھاؤں گا

اپنے چہرے میں
تم خود پڑھ لینا
پڑھ کے فیصلہ دینا
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے

نہ
آنکھیں چراؤ
ابھی آنکھیں چرانے کا موسم نہیں آیا

O
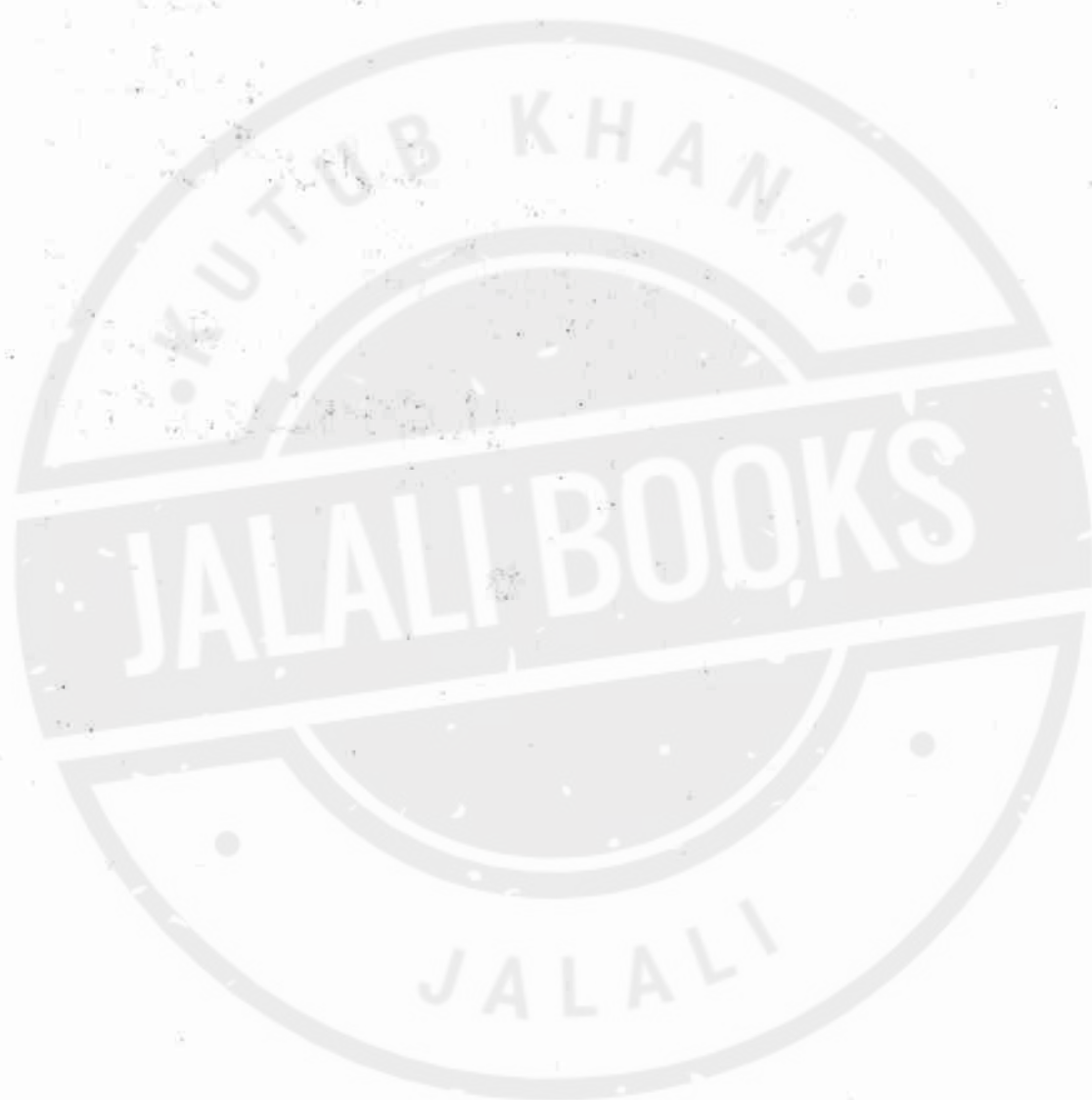
کب آؤں؟

اب کی بار کس موسم میں آؤں؟
گرمی میں؟
گرمی میں تو پہلے آیا تھا
باہر گرمی،
اندر گرمی
چاروں طرف تھی آگ ہی آگ
اندر کی آگ بھی اندر تھی
باہر کی آگ بھی سرک آئی
روح کے ساتھ جسم بھی
تو نہیں جانتی؟
سارا سیک ہی تیرا تھا
جو میرا تھا بس میرا تھا

جو تیرا تھا وہ تیرا تھا

پھر کیوں نہ گرمی بڑھتی

تو نہیں جانتی

قربت میں فاصلے کتنا جلاتے ہیں

کیوں نہ میں برسات میں آؤں؟

باہر رم جھم

اندر چھم چھم

ہم کمرے کی کھڑکی کھول کے بارش دیکھیں گے

بارش اڑتی آئے گی

تیرا چہرہ چمکائے گی

لیکن یہ ناممکن ہے

گیلے پھول کو تکنا بڑا ہی مشکل ہے۔

تم نے گیلے ہو کے خشک نہیں ہونا

خشک رہ کے گیلا کرنے نہیں دینا

میں یہ رسک نہیں لے سکتا

یہ موسم خطرناک ہے

میں اس موسم میں کیسے آؤں؟

گارنٹی کوئی دو

اور مجھ سے نہ لو

تو آ سکتا ہوں

کہ اس سے اچھا ملن کا کوئی موسم نہیں

مگر میں جانتا ہوں
تو خشک پروں والی چڑیا ہے
کیوں نہ میں بہار میں آؤں؟
چاروں طرف پھول کھلے ہوں
ہریالی ہو
خوشبو ہو
رنگوں کا طوفاں مچا ہو
مگر یہ تو پہلے بھی تھا
یہ سب تو تیرے اندر ہے
ہریالی ہے
پھول ہیں
پھل ہیں
خوشبو ہے
رنگوں کا ایک طوفاں مچا ہے
تجھ سے اچھی
تجھ سے بھلی
کوئی بہار کہیں نہیں
بہار میں آنا تو ایسے ہی ہے
جیسے کسی وقت بھی آ جانا۔
کیوں نہ اب سردی میں آؤں؟
شاید سردی کے باعث

فائدہ ہو

تو کپکپاتے ہاتھوں سے

میرے قرب میں بیٹھے

اک کمبل ہو

جسے کھول کے دونوں اوڑھیں

اور باتیں کریں

لیکن

پھر سردی کب رہے گی

پھر ویسا ہی موسم ہو گا

آگ ہی آگ

اک کمبل اور دو شعلے

دونوں شعلے آگ ہی آگ

تم اس آگ سے ناواقف ہو

آگ سے واقف ہو

اس کی تاثیر سے ناواقف ہو

سنو

یہ آگ اور طرح کی ہے

یہ لہو میں رہتی ہے

بدن کو کچھ نہیں کہتی

روح کو جلاتی ہے

قربت میں فاصلہ ہو تو یہ بڑھ جاتی ہے

فاصلہ نہ رہے تو چڑھ جاتی ہے
قربت ہی نہ رہے تو چڑھی ہی رہتی ہے
اسے کم کرنے کا ایک ہی طریقہ سنا ہے

پڑھا ہے
جس سے یہ آگ آگ نہیں رہتی
گلزار بن جاتی ہے
جانتی ہو تو بتاؤ!
تا کہ میں سردیوں کے لئے سامان باندھوں
اور تم آگ جلانے کے لئے لکڑیاں اکٹھی کرو۔

o
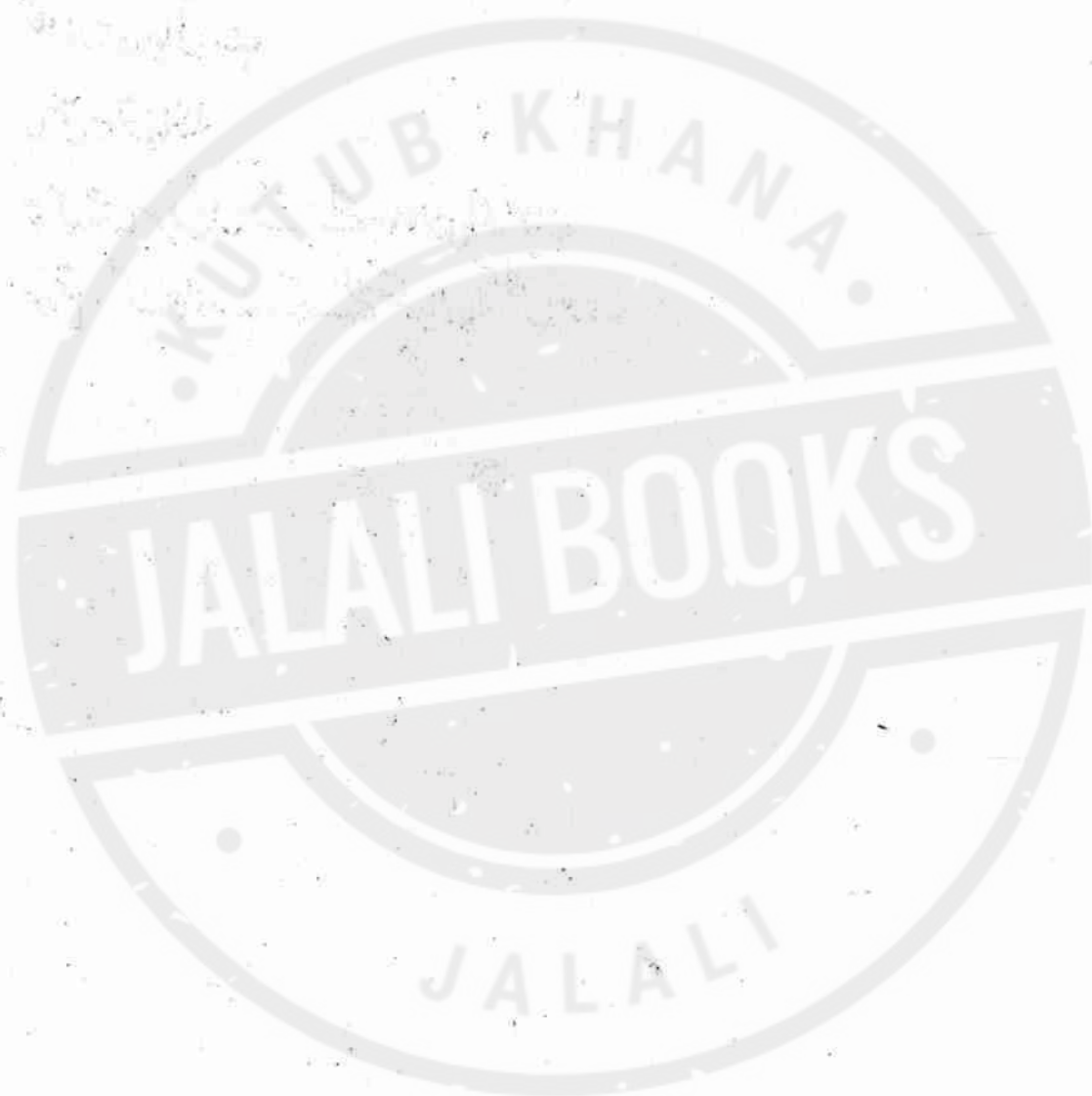
سفید گلاب

بچپن سے پڑھتا آیا ہوں
کہ سارے پیڑ بوٹے
سارے پھل پھول
سانس لیتے ہیں
سچی بات یہ ہے میں نے کبھی نہیں مانا
کیسے مانوں؟
میں نے کبھی کسی پھل کو
کسی پھول کو
سانس لیتے نہیں دیکھا
مگر اس دن
اچانک
بچپن سے پڑھے وہ سارے سبق سچے لگے

میں ایمان لے آیا
کہ واقعی پھول سانس لیتے ہیں
ہوائیوں کہ
وہ میرے سامنے بیٹھی تھی
اور میرے پاس کوئی اور نہ تھا
اور
اس کی سرمئی سی قمیض پہ بنے
دو بڑے بڑے سفید گلاب
اس کے کندھوں سے کچھ نیچے
دامن سے تھوڑا اوپر
خوشبوؤں کے پہاڑوں پہ
منہ کھولے سانس لے رہے تھے
اور میرا سانس اکھڑ رہا تھا

o

فاؤل

نہ، نہ یہ زیادتی ہے
فاؤل ہے
ایک تو بجلیاں بھری آنکھیں دو
دوسرے ان کے آگے لہراتا ہوا بادل
یہ تمہارے بالوں کی ایک آوارہ لٹ
تمہارے ماتھے سے نیچے
تمہاری دھوپ سی روشن
سائے جیسی کالی آنکھوں کے آگے سے ہوتی ہوئی
تمہارے ہونٹوں سے ذرا اوپر
تمہارے پتلے سے ناک کے نتھنوں کے پاس ہی کہیں
تمہارے ہر سانس سے ہل رہی ہے
جیسے یہ بالوں کی لٹ نہیں

اک چھوٹا سا بادل ہے
جو کسی ہل سٹیشن پہ
کسی مسافر کی کھڑکی کے اندر گھس کر

برس رہا ہے
مگر یہ کیسا بادل ہے
جو برستا ہی نہیں
حالانکہ اس میں تڑپتی ہوئی بجلیاں دکھائی دیتی ہیں
کیسے کروٹیں بدلتی ہیں
گزرے ہوئے ہزار ہا بارشوں کے موسم کی
ساری برساتیں تھمی ہوئی ہیں
رکی ہوئیں ہیں
جو برس پڑیں تو سیلاب آ جائے
ریگزاروں کا دریا بن جائے
مگر یہ برستی ہی نہیں
یہ جانتے ہوئے بھی۔
کہ
ریتلے ٹیلے پیاس کے کرب سے بلبلا رہے ہیں
یہ زیادتی ہے
فاؤل ہے

o

وارننگ

تھوڑا سا دور ہٹ کے بیٹھو
بے شک اسی طرح بیٹھو
دونوں گھٹنے زمیں پہ رکھے
پیچھے دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے
کمر سیدھی کیے
کندھے چوڑے کیے
زلزلوں کی زمیں سامنے سجائے ہوئے
مگر دیکھو
تمہارا گھٹنا نہ کوئی مجھ سے چھو پائے
میں ذمہ دار نہیں ہوں گا
اگر زلزلوں کی زمینوں میں طوفاں آ گیا کوئی
بھونچال زدہ پہاڑوں سے

گرم آتشی سیال ابل پڑا

تو

تو مجھ سے شکایت نہ کرنا

میرا ان پہ بس نہیں چلتا

نہ ہے میری دوستی

کسی طوفاں، بھونچال یا زلزلے سے

سوائے تیرے

حفظِ ماتقدم میں

تھوڑا دور ہو کے بیٹھو

دیکھو جھگڑ شروع ہو گئے ہیں

زلزوں کی آمد آمد ہے

پیچھے ہو جاؤ

میں کیا کروں اگر تمہارے پیچھے دیوار ہے

یہ دیوار میں اپنے آگے تو لا نہیں سکتا

تمہارے پیچھے سے اٹھا کے۔

O

بس اتنی مہلت

مہلت کیسی
کیسی مہلت
پھر کس سے تم یہ مانگ رہی ہو
مہلت تو ہے چند لمحوں کی مٹھی
چٹکی بھر وقت
سمے کی بوند
ہم تو خود ایسی بوندیں ہیں
وقت کے قطرے ہیں
اور کسی کی مٹھی میں ہیں
کون جانے کب تک ہیں
کب تک اس کی مٹھی میں ہیں

ایک ذرا سی بات ہے

تھوڑا سا اس کا علم ہے مجھ کو

تو بھی تو یہ جانتی ہے

اپنا آپ پہنچانتی ہے

ہر لمحہ ایک سا ہوتا ہے

ایک سی اس کی قسمت ہوتی ہے

ہر لمحے کو گزرنا ہوتا ہے

ہر لمحہ گزرنے آتا ہے

گزر جاتا ہے

ہم اس کی ڈور پکڑے رہ جاتے ہیں

پر ڈور ہلاتے رہتے ہیں

گزرے وقتوں کو بلاتے رہتے ہیں

لیکن کون یہ راز جانتا ہے

کون ہے واقف اس لمحے سے

وہ لمحہ جو برحق ہے

وہ لمحہ جو بحر حال آنا ہے

وہ لمحہ جو گزرنے نہیں آتا

کہ جب کبھی ایسا لمحہ میرے لئے آیا

تو میری آنکھیں بند ہوں گی

اور اس کی کھلیں گی

وہ لمحہ میری آنکھوں میں ٹھہر جائے گا

اور میری آنکھیں گزر جائیں گی
وہ لمحہ رہ جائے گا
میں چلا جاؤں گا
گزر جاؤں گا
میں کب جانتا ہوں
کتنی مہلت باقی ہے
اس لمحے اور اس لمحے کے بیچ
کب وہ لمحہ آ جائے
اور اپنا قرض مانگ لے
کہ میں تو اس کا ادھار ہوں
میں تو مہلت دینے والے سے
اتنی مہلت مانگتا ہوں
کہ جب کبھی وہ سوہنا لمحہ آئے
جسے بہرحال آنا ہے
تو میں تجھ سے دور نہ ہوں
تیری گود ہو میرے پاس
میرا سر ہو تیرے زانوں پہ
تو سر پہ ہاتھ پھیرے
اور میں آنکھیں موند لوں
تو باتیں کرے
اور میرے چپ ہونٹ سنیں

سناٹے میرے وجود سے بولیں
اور تجھ سے کہیں
بس اتنی مہلت مانگی تھی
کھلی آنکھ کو بند کرنے کی
تیرے ساتھ

o
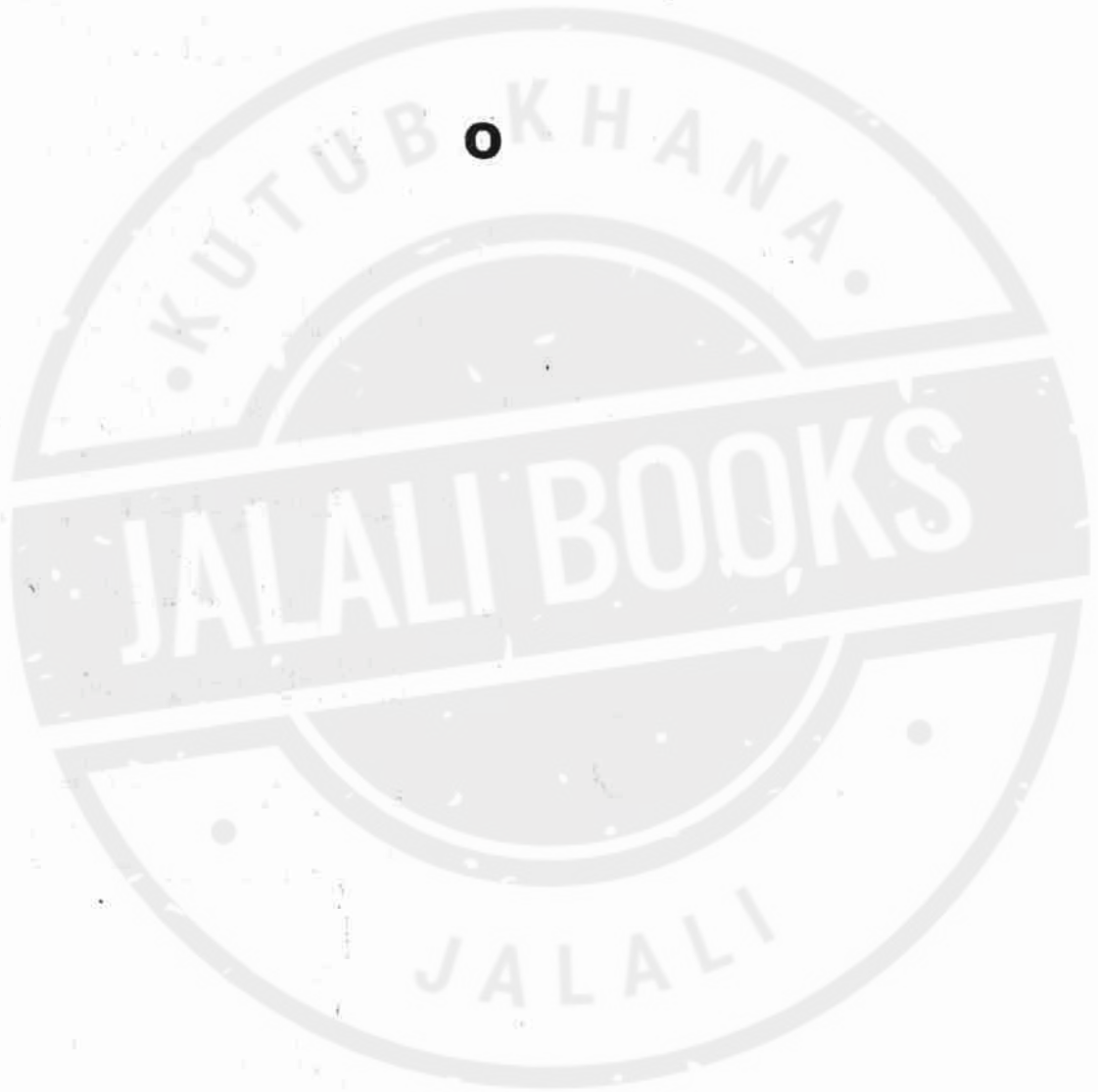
مشورہ

تم صحرا میں بسی ہو
یا
صحرا تیرے اندر بس گیا ہے
کیا بارشیں صدیوں سے نہیں ہوئیں
جو تیری مٹی کی ریت بن گئی ہے
جو دھوپ سے تپتی ہے
اور سایوں کو تپائے رکھتی ہے
سنو!
اپنے آنگن پہ چھت مت ڈالو
بادلوں کو آنے دو
برسنے دو

ریت کے تنہا تنہا ذروں کی نسبت
گیلی، گوندھی مٹی بن کے رہنا اچھا ہے

کیا پتہ
کون اس گیلی مٹی کو
اپنے چاک پہ چڑھا کے
کوئی ایسا گھڑا بنا دے
جو ''پار'' لگا دے۔

o

اگلی بارش کا انتظار

پہلی بار جب تمہارے آنگن پہ
بجلیاں کڑکیں تھیں
اور بادل برسا تھا
تم کیسے خشک رہی
کیا تمہارے پروں پہ موم لگا ہے
یا تم ریت سے بنی ہو
کہ موسلا دھار بارش کے نیچے گھنٹوں بیٹھی رہی
اور پیاسی رہی
حیرت ہے
مگر اب بادلوں نے تمہارا گھر دیکھ لیا ہے
اب تمہارے گھر میں ایک ہی موسم رہے گا

برسات کا

جانتی ہو
تیرے بڑے صحرا بھی اس برسات کا سامنا نہیں کر پائے
تم تو ایک مٹھی ریت ہو
جس سے ہزار ہا پھول نکلنے ہیں
اور تیرا سارا گھر ایک باغ بننا ہے
بس اگلی بارش کا انتظار کرو۔

o

لوڈشیڈنگ

یہ موم بتی جل رہی ہے
مگر روشنی اس سے نہیں ہے
یہ تو سورج کے سامنے ہے
اور پگھل رہی ہے
جلے کیوں نہ
جلنا تو اس کی قسمت میں لکھا ہے
لکھا ہے تو یہ تیرے سامنے ہے
نہ جلاؤ اسے
نہ ستاؤ اور
خدا کا خوف کرو
دیکھو تو
یہ رو رہی ہے

اس کے گرم گرم موم کے آنسو
اس کے پیروں میں گر رہے ہیں
یہ روئے کیوں نہ
یہ روئے گی
یہ روشنی کے لئے بنی ہے
مگر جل رہی ہے
کہ تیرے روبرو ہے
اسے ہے قلق بے توقیر ہونے کا
جیسے سوتنوں کو قلق ہوتا ہے
تم لوڈشیڈنگ کے بہانے اس معصوم کو نہ جلاؤ
انصاف کا تقاضہ ہے
کہ اس پہ پھونک مارو
اور اپنے موم کی بجلیاں کڑکنے دو
برسنے دو
لوڈشیڈنگ کی اس حسین رت میں
کچھ اور لوڈشیڈنگ ہونے دو

O

سادہ دل

اے روٹھنے والی
تجھے روٹھنے کا ڈھب نہیں آتا
ہر روٹھنی والی یہاں تو
منائے جانے کی لذت سے لتھڑنے کے لئے
روٹھتی آئی ہے
تو کیسی سادہ دل ہے
کہ پہلی بار روٹھ کے ہی
اتنی دور جا بیٹھی ہے
جہاں میں پہنچ نہیں سکتا
اپنی مرضی سے
کبھی پہنچا بھی تو

اپنے اختیار سے گزر کے پہنچوں گا
کہ تیرے اور میرے اختیار کی حد اس سے پہلے ہے

o

بول

لو میں آ گیا
تجھے منانے
اب بول کیسے مناؤں
مجھے بتا دے
مجھے واقعی منانا نہیں آ تا
منانا تو وہ جانتے ہیں
جنہیں روٹھنے کا تجربہ ہو
اور روٹھتے وہ ہیں
جنہیں کوئی منانے والا ہو
میں تو بے توقیر شخص ہوں
اب تک جو روٹھنے کا بھی اہل نہ ہوا
مجھے کیا پتہ کیسے مناتے ہیں

مجھے کب کسی نے منایا ہے
مجھے تو شاید
بنانے والے نے بھی
روٹھ کے بنایا ہے
مسکرائی کیوں!
تو روٹھی ہے
یا بناتی ہے مجھے؟
بول۔
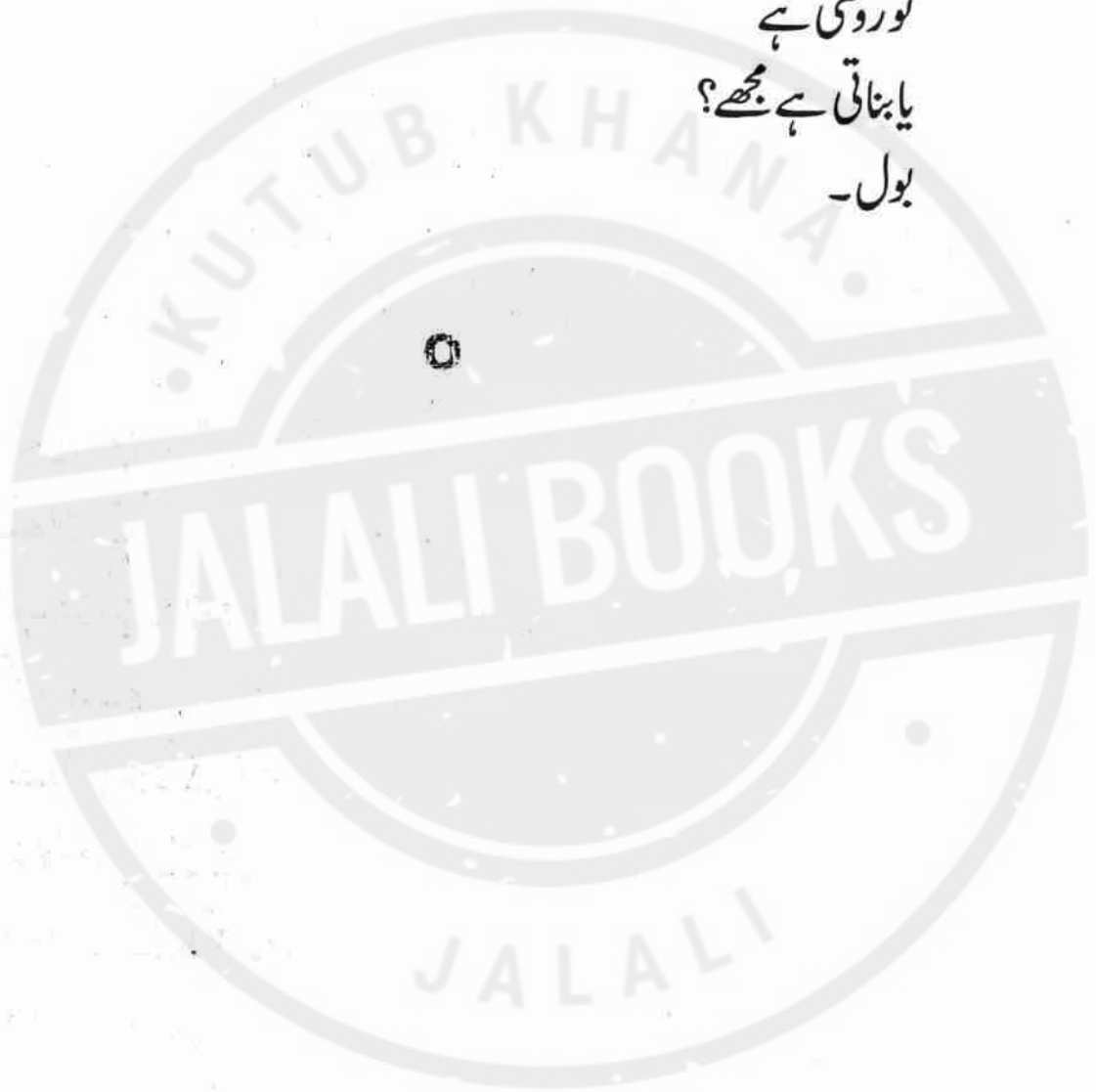
زندگی کا راز

تیری فائل میں کاغذوں کا پلندہ ہے
سارے کاغذ تیرے ہیں
مانتا ہوں
یہ بھی سچ ہے
تیرے ہی لکھے ہیں
پر تو ایمانداری سے بات کہنا
تیری ان ساری تحریروں میں سے
کوئی اک تحریر بھی تیرے نام کی ہے؟
ان میں کوئی اک کاغذ، کوئی پنا
تو نے اپنے آپ کو لکھا ہے؟
نہیں نا۔
پھر کیا حق ہے تجھے اس فائل کو سنبھال رکھنے کا؟

جس کی فائل ہے
اسے واپس کر
معذرت کے ساتھ
زندگی اسی کا نام ہے
ہم اپنی سانسیں اپنے لئے نہیں لیتے
ہر سانس اس ہوا کی ہے
جو جسم سے نکلتا ہے
تو کیا جسم سے ماورا ہے؟
کیوں جسم کی بات کو شرم کی بات کہتی ہے
یہ دکھ کی بات نہیں
یہ حسن ہے زندگی کا
اور اسی میں زندگی کا راز بھی ہے

o

سوچ لینے دو

لو صبح ہو گئی
ایک رات اور گزر گئی
یہ رات گزرتی ہے یا ہم اس سے گزرتے ہیں
رات ہی صرف گزرے تو پھر کیوں ہم سرکیں
بچپن سے لڑکپن کی طرف
لڑکپن سے جوانی میں
صرف رات ہی کو گزرنا ہو
تو کیوں جوانی ہی نہ ٹھہر جائے
مگر جوانی کہاں ٹھہرتی ہے
دھوپ چڑھتی ہے پھر اترتی ہے
ہر صبح
سورج کے ساتھ سایہ بھی طلوع ہوتا ہے

دھوپ کے ساتھ ساتھ چلتا ہے
یہ صبح آ گئی ہے یا میں اس میں آ گیا ہوں؟
اس صبح کی شام بھی ہو گئی؟
ہاں شام ہی کو
شام ہو گی
مگر کون جانتا ہے
میری زندگی کی شام
اس سے پہلے اتر آئے
پھر کیوں نہ گٹھڑی باندھ کے رکھوں؟
لیکن گٹھڑیاں کہاں ساتھ جاتی ہیں
پھر کیا ساتھ جاتا ہے؟
سوچ لینے دو۔

o

میرا گرو

میرا گرو سو گیا ہے
سونے کے وقت وہ سوتا نہیں تھا
نیند میں بھی وہ سوچتا تھا
اس کی سوچ میں کوئی تھا
وہی موجود رہتا تھا
اس کے پورے وجود میں
اس کی بات بات میں اس کی باتیں تھیں
وہ جسے دیکھتا تھا
وہ کبھی اس کے پاس دیکھا نہیں گیا
کہ اسے دیکھنے والی آنکھیں
اس کی آنکھوں سے مختلف تھیں

اب اس کے ہونٹ خاموش ہیں
اس کی آنکھیں مندھ گئی ہیں
شاید وہ اپنی کہیوں، ان کہیوں کا جواب سن رہا ہے
میرا گرو سو گیا ہے

○

کچھ کہوں یا چپ رہوں

صبا کے ہاتھ میں ہے
خوشبوئیں زمانے کی
میں کیسے بات کروں
صبا کے کان میں
زمانے کی
عجیب بات ہے
صبا بھی سننا چاہے ہے
خوشبوؤں میں گوندھی ہوئی
دھنک رنگ پھولوں کی
بے داغ کلیوں کی
وہ ساری سرگوشیاں
وہ باتیں

قصے ہزار داستانیں
ہواؤں کے دوش منڈلاتے
بھونروں کے کہنے والی، ساری
ان کہیاں
سناؤں
بولو
صبا سے کہے کیوں
کہ تو ایک کام کر
کہتی جا، یا صرف سن
مگر صبا کی بات برحق ہے
آخر وہ صبا ہے
جو کہے بھی جاتی ہے سنتے ہوئے
اور سنتے سنتے کہتی جاتی ہے
کہ آسمان کے نیچے والو!
کان کھول کر سن لو
میں آسمان پہ چلتی ہوں
اور دھرتی پہ بستی ہوں
شاخوں پہ میرے جھولے ہیں
بادلوں میں میرا گھر ہے
میں خوشبوؤں کی ماں ہوں
میں رنگوں کے دیس کی ہوں تتلی
تیری زمیں کے پھل پھول

میری سلطنت کا حصہ ہیں
میں انہیں پالتی ہوں
سینچتی ہوں
ان سے کھیلتی ہوں
وہ مجھ سے ہیں
میں ان سے ہوں
وہ میرا حصہ ہیں
میرے بچے ہیں
اور تم ان سے پلتے ہو
پل کے
پھول پھل کے
تم مجھ پہ کمند ڈالتے ہو
حیرت ہے
تمہاری عقل اور خرد کیوں تم سے یہ بات نہیں کہتی
کہ دنیا کے قید خانوں میں
ایسا کوئی عقوبت گھر نہیں بنا اب تک
جہاں ہوا کو قید رکھا جا سکتا ہو
میں ہوا ہوں
میں صبا ہوں
سدا سے ہوں
یہیں پہ ہوں
بھول گئے

میری ہی گود میں تم نے
پہلی بار
منہ کھولا تھا
تمہاری پہلی چیخ کیا تھی؟
میں تھی وہ
صبا تھی
ہوا تھی
تم جاگے، سوئے چلے یا پھرے
میں نے کب تیرا ساتھ چھوڑا
میں تمہارے وجود کے گھر میں
ان دیکھی مکیں ہوں
تم جب اپنے اپنے گھروں کی دہلیز کے باہر
آخری قدم نکالو گے
اپنے مکان کی چوکھٹ سے
نکل کے
بے مکاں آؤ گے
تو میں پھر موجود ہوں گی
خوش آمدید کہنے
تم نہ اب دیکھتے ہو مجھ کو
نہ تب دیکھ پاؤ گے
پر میں کھڑی ہوں گی
مسکراہٹ لئے ہونٹوں پہ

خوش آمدید کہنے
ان پھول رنگ کلیوں سے
جو تیری زمیں پہ تیرے بعد کھلنے والی ہیں
ان کی مہک سے تو نا آشنا ہے
مجھ سے خائف نہ ہو
مت ڈرو مجھ سے
میں تو تیری وہ گودھوں جس میں تم پلتے ہو
تم تو چوزے ہو
میں انڈا ہوں
یہاں تم مجھ میں ہی سانس لیتے ہو
میں تیرا سانس سانس گنتی ہوں
یہ میری ڈیوٹی ہے
وہاں مجھ سے بھی پوچھ گچھ ہو گی
کہ میرے کتنے گھونٹ تو نے لئے
میں نے جھوٹ تھوڑی کہنا ہے
تو اپنا سچ جانتا ہے
پھر کیا بحث
پر وہاں میں نے کوئی گنتی نہیں کرنی
وہاں سب کچھ ان گنت ہے
ادھر زماں و مکاں کی حد ہی ہٹ گئی ہے
ادھر گنتی نہیں ہے
بے فکر رہ

ادھر کے ان گنت
لاشمار سانسوں میں بھی
میں ساتھ ساتھ ہوں گی
میرے ساتھی
میرے ساتھ کا شعور کر لو
شاید اسمیں تیرا بھلا ہو
صبا بولے جا رہی ہے......
کوئی تو بتائے
میں کیا کہوں؟
کچھ کہوں یا چپ رہوں

o

وہ پھر آئے گی

لو وہ آ گئی
جانتے ہیں آپ
کون ہے یہ
یہ دھوپ ہے میرے نصیبوں کی
بہار کی پت جھڑ ہے یہ
برسات ہے میرے کرینوں کی
جب بھی آتی ہے یہ
یونہی آتی ہے
بنا بتائے ہوئے
منہ اٹھائے ہوئے
آ کے بیٹھ جاتی ہے
جیسے یہ اس کے قرض خواہ کا گھر ہو

ہاں سچ ہے
یہ گھر قرض دار ہے اس کا
اور اس کا قرض کوئی اور نہیں ہے
میں خود ہوں
مگر وہ مجھے وصول نہیں کرتی
مجھے ٹیکس کرتی ہے
سود لیتی ہے
میری ہر ایک سانس کا
جسے میں نہیں گنتا
وہ شمار کرتی ہے
میں کیا کروں
کئی بار کہہ چکا ہوں
کہ ایک بار ہی لے جا
جو لے کے جانا ہے
کیوں قطرہ قطرہ کر کے
دریا کو پیتی ہو
کیوں بوند بوند میرا لہو جلاتی ہو
وہ مسکراتی ہے
میرے اضطراب کی بات سن کے
قہقہے لگاتی ہے
میں اول فول بکتا ہوں
وہ بحث نہیں کرتی

مگر عجیب قرض خواہ آنکھوں سے
مسکراتے ہوئے
سر سے پاؤں تک میرا جسم تکتی جاتی ہے
کبھی آنکھوں کو ٹکٹکی لگاتی ہے
کبھی میرے ہاتھ اس کی آنکھ میں ابھرتے ہیں
کبھی اس کی آنکھ میرے پیروں پہ چلنے لگتی ہے
میں لرز لرز کے اٹھتا ہوں
سہم سہم کے گرتا ہوں
میری آنکھوں سے اس کی نگاہیں نہیں دیکھی جاتیں
میں آنکھیں موند لیتا ہوں
تو اس کی آنکھیں
میرے بدن کی بوٹی بوٹی میں
خون کے بلبلوں میں ابلتی ہیں
ٹیسیں اٹھتی ہیں
میں بلبلاتا ہوں
ہاتھ جوڑ دیتا ہوں
تو کون ہے
اور کیا چاہتی ہے
آواز آتی ہے
میں تیرے شعور سے محو
تیری آنے والی کل ہوں
تمہیں مجھ کم ہمتے سے کیا چاہئے؟

میں کراہتا ہوں
اس کے مسکرانے کی آواز آنے لگتی ہے
آواز کہتی ہے
میں تم سے اپنی توقیر چاہتی ہوں
تیرے گزرے کل سے بہتر اپنی تصویر چاہتی ہوں
اٹھ ہمت کر
تجھے یہ ہاتھ، یہ پیر، یہ آنکھیں
سوچے سمجھے بنا نہیں دی تھیں
کبھی سوچا تم نے ان کا مقصد؟
نہیں، میں اقرار کرتا ہوں

دیکھ!
وہ کہتی جاتی ہے
اپنے وجود کی ساخت پہ غور کر
اپنی دسترس میں سجی کائنات دیکھ
اور اپنے حصے کی دنیا سنوار
وہ میرے لہو میں مسکراتی ہے
اس کے مسکرانے سے کوئی بلبلہ نہیں پھٹتا
درد غائب ہو جاتا ہے
خوف دور ہونے لگتا ہے
خون خوشبوئیں پڑھتا ہے
میرے اندر باہر کے موسم بدلنے لگتے ہیں
خوشگوار پہلے لمحے میں

یہ خیال آتا ہے
وہ ہے یا چلی گئی
اگر ہے تو کیا بولوں
چلی گئی ہے تو
آنے والے کل وہ
پھر آئے گی
تب تک
کچھ کرلوں
اب تک جو بگاڑا ہے
تھوڑا اسے سنوار لوں
صرف اتنا کہ میرا آج آنے والی کل کے روبرو نہ شرمندہ ہو۔

○
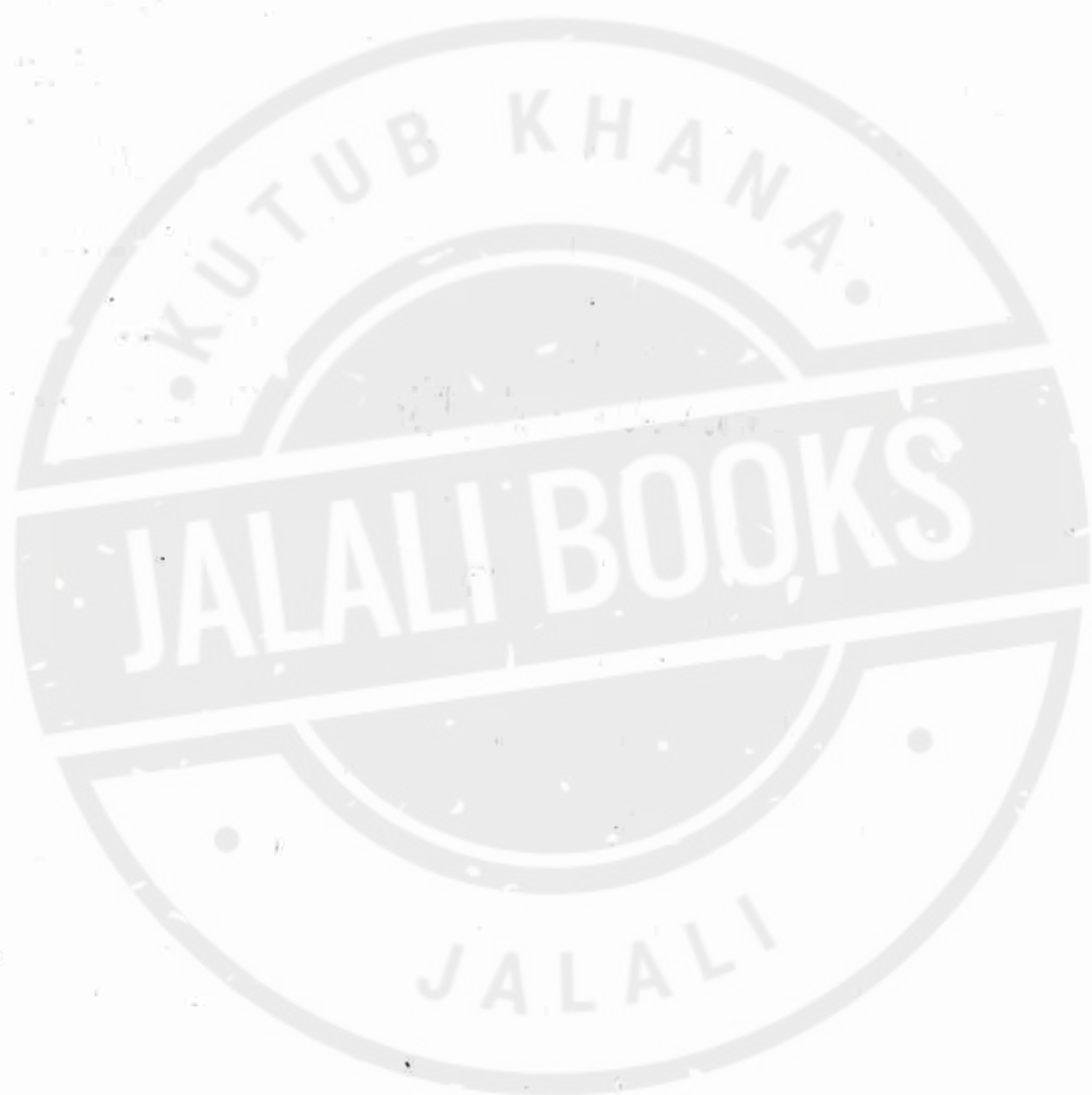
دیکھ میری پیاری

دیکھ میری پیاری
میرے پیار کو سمجھ
اعتراض نہ کر
ماتھے پہ بل نہ ڈال
دیکھ!
تو نہ پیار سے واقف ہے
نہ اپنے آپ کو جانتی ہے
میں سمجھاتا ہوں
تو ایک نہیں دو ہے
یہ دو کوئی وہ نہیں جس سے دوری ہو
یہ وہ ہے جس سے فاصلہ نہ رہے
مگر فاصلہ تو ہے

دیکھ میری پیاری

ایک تو وہ ہے
جو تجھے تیرا آئینہ دکھاتا ہے
اور سارا زمانہ تجھے سر پہ بٹھاتا ہے

اسی کے زور پہ
ہاں ہے زور اس میں
سمندری طوفان جیسا
زلزلوں سے بڑھ کے ہے وہ
اب تو ایک اپنی صبح ہی دیکھ
جب تو نہا کے آتی ہے
گیلے گیلے تیرے بال ہیں
اور تیرے ہونٹوں پہ بوند بوند پانی ہے
کچھ بوندیں رکی رکی ہیں
کچھ گر رہی ہیں
تو کیا سمجھ سکتی ہے
ان بوند بوند ذائقوں کو
وہ تیرے چکھنے کی چیز ہی نہیں
اور دیکھ ذرا آئینہ
دیکھ کیسے بھیگی ہوئی ہیں تیری پلکیں
اور تیری نیل گوں گہری آنکھوں میں
کیسی گیلی گیلی روشنی ہے
وہ چمک تیرے گمان میں نہیں آ سکتی

تو تو بس آئینے سے پوچھتی ہے
اور آئینے کے پاس کونسا دل ہے
شاید ہو
مگر وہ بے زبان ہے
جو زباں رکھتے ہیں
بول دیتے ہیں
تو سن کے شاید مسکرا دیتی ہوگی
اب تیرا مسکرانا بھی کچھ کم ہے کیا
چھن چھن گھنگرو بجتے ہیں
جو سن لے
وہ زلزلوں کی زمین میں دھنس جائے
میں کئی بار دھنسا ہوں
ابھی سوچا ہے تو پھر دھنس رہا ہوں
تجھے خبر ہے تیرے بال کیا کہتے ہیں؟
جب تو کچھ کہنے لگتی ہے
وہ تیری لمبی صراحی جیسی گردن کے دونوں طرف
یوں جھول جھول جاتے ہیں
جیسے ٹھنڈی ہوا کی لہروں پہ
ریشمی تھان کے پردے ہوں
ہاں تیری ہر بات ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ہے
پر یہ تیرے شعور سے باہر ہے
یہ تو سننے والوں کی بپتا ہے

مجھ پہ ہزار بار یہ موسم بیتا ہے
تو گرمیوں کی دوپہر میں بات کرتی ہے
تو تیری آواز میں سائے لرزتے دکھائی دیتے ہیں
تو نے شاید سایوں کو چلتے دیکھا ہو
جب شام کا سورج سرو کے درختوں کے پار چلے
کس طرح وہ سرکتے ہیں
ریشمی ہری گھاس کے مخملی فرش پہ
اس طرح خراماں خراماں تیرے قدم قدم چلتے ہیں
تیرے چلنے کو دیکھ کے جی چاہتا ہے
تو چلتی رہے
میں دیکھتا رہوں
تو بیٹھ جائے
تو دعا ہوتی ہے اب بیٹھی رہے
یونہی تکتی رہے
دیکھ میرا حوصلہ
میں نے تمہیں لیٹے ہوئے بھی دیکھا ہے
جو زلزلے مجھ پہ بیتے ہیں
تو بیت نہیں سکتی
پر تو میرا حوصلہ تو دیکھ
میں تمہیں سوچ کے
یہ سب سوچتا ہی نہیں
سوچیں خود سے کچھ آ جائیں

تو کیا کروں
لیکن پھر بھی میرا کوئی دعویٰ نہیں ہے ان پہ
مجھے پتہ ہے
تیرے دو روپ ہیں
اور اس روپ پہ تیرے
میرا ادیکار ہے ہی نہیں
حالانکہ میں جانتا ہوں
تیرے چہرے کی ملاحت بھری ملائمت کو
تیری مسکراتی مسکراہٹ کو
مجھے وہ دھوپ اور سائے بھی یاد رہتے ہیں
جو تیرے چہرے پہ آ کے
پہچانے جاتے ہیں
تو دھوپ کو سجاتی ہے
تو سائیوں کو لبھاتی ہے
پر جو انہیں جی بیٹھیں
ان کے لئے جو جی میں آئے فیصلہ کر
ہاں وہ تیرے فیصلے کے پابند ہیں
تو اگر چاہے تو
کسی کو اپنے بالوں میں تھپا کے سلا دے
اور وہ حشر تک سویا رہے
ہاں یہ سچ ہے
جو تیری صراحی سی گردن دیکھ کے پانی ڈھونڈتے ہیں

وہ مچھیرے ہیں
کنڈی لگا کے بیٹھے ہیں
اور یہ بھی سچ ہے
تو جل پری ہے
جل میں چلتی ہے تو شعلے اچھلتے ہیں
اچھل کے چلنے لگے تو
تجھ سے
پریاں پر اتار کے ملتی ہیں
تو بھی ان میں سے ایک لگتی ہے
انہی کے ساتھ اڑتی ہے
تیری پرواز کی اڑان اونچی ہے
جہاں تک تیرے پر، اُڑیں
اڑے جا
اڑائے جا
پر میں تو تیرے دوسرے رخ کی
بات کرتا ہوں
پہلے کہا تھا نا
کہ تو ایک نہیں دو ہے
یہ جس رخ کی بات کر رہا تھا
یہ تو آئینے کا رخ ہے
یہ تیری فزکس کی باتیں ہیں
جیومیٹری کی شکلیں ہیں

دائرے

تکونیں

قوس در قوس

یہ سب تیری جاگیر ہیں

تجھے حق ہے ان پہ عمل داری کا

جسے چاہے تو اپنے اس آئینہ رخ کو چاہنے دے

جسے چاہے نہ چاہنے دے

تجھے کوئی روک نہیں سکتا

ٹوک نہیں سکتا

پر میں تیرے دوسرے رخ کی بات کرتا ہوں

تیری فزکس کی نہیں

کیمسٹری کی بات کرتا ہوں

میری نگاہ میں تیری مسکراہٹ تو ہے لیکن

میں تیرے وہ جذبے دیکھتا ہوں

جو ان کے پیچھے معصوم بچوں جیسے ہیں

تیری نگاہ کی دلکشی دیکھ کے

تیرا کرسٹل سا شفاف دل دکھائی دیتا ہے

تیرا چلنا، پھرنا

تیرا بولنا

نہ بولنا

چپ رہنا

سوچنا

سوچتے سوچتے کچھ بول دینا
میں ان سب کے پیچھے تیرے
دوسرے رخ کو دیکھتا ہوں
جو تیرے پہلے رخ سے بھی حسیں تر ہے
یہ وہ رخ ہے
جو میرا ہے
ہاں اس پہ تیرا حکم نہیں چلتا
نہیں منع کر سکتی تو کسی کو
جو تیری کیمسٹری کو چاہے
تیری دنیا کے
سارے قانون
قائدے
حدیں
اور ضابطے
ان پہ لاگو نہیں ہوتے
تو مجھ پہ ان کا رعب نہ دے
میری تجھ سے چاہت
آئینہ آنکھ سے مبرا ہے
تو، تو میری آنکھ میں رہتی ہے
جب سامنے نہ بھی ہو
تو میرے ذہن میں چلتی ہے
جب کہیں دور سو رہی ہو

میرے من میں جاگتی ہے
دیکھ
تو کہاں ہے؟
کس کے پاس ہے
کون تجھے دیکھتا ہے
چاہتا ہے
تیرے پھل پھول اور پانیوں پہ راج کرتا ہے
میری بلا سے
میں تو اتنا جانتا ہوں
تو میری ملکیت ہے
تو کہیں بھی ہو
میرے دل میں رہتی ہو
اور میرا دل تیرے راج سے بھرا ہے
تو ہی میرے راج کی راجدھانی ہے
جسے میں نے اپنی روح کی سلطنت میں
اپنی تنہا ہزار ہا راتوں میں
ایک سخت چٹان کے اندر چھپی
قدیم یونان کی حسیں دیوی
انتھینا
کی طرح تراشا ہے
تو مجھ سے دور نہیں جا سکتی
کوئی تجھے مجھ سے دور نہیں لے جا سکتا

کیونکہ

تو، تو میرے دونوں ہاتھوں میں ہے

تو ان سے نکل نہیں سکتی

جتنا مرضی زور لگا لے

تو انہی میرے دونوں ہاتھوں میں رہے گی

ہمیشہ

اک نیک دعا کی طرح

کہ محبت کے آسمان پہ جب کبھی پھر

پنڈال سجے

تو، تو میری ہو

اُس زمانے کے لئے

جسے ہمیشہ رہنا ہے

اور یہ تو اسی کا وعدہ ہے

جس نے تیری فزکس اور کیمسٹری

دونوں تخلیق کی ہیں

کیمسٹری نے صرف رہنا ہے

یوں میری دعا نے جیت جانا ہے

O

صحرا اور ندی

تم جانتی ہو
تمہیں جینا، صحرا میں چلنا ہے
اور تمہیں سوچنا
اسی صحرا میں آبگینے تلاش کرنا ہے

ویران
لق و دق صحرا میں
تیرے نہ ہونے کو

ہونا
سمجھ کے چلتے رہنا
آگ اُگلتے سورج کے نیچے
ننگی دھوپ کی چھڑیوں سے تابڑ توڑ
ننگے بدن پہ

تیری جدائی کے کوڑے سہنا ہے
تم
صحرا کو جانتی ہو
پھر انجان بن کے دیکھتی ہو
صحرا تو تیرے اندر بسا ہے
اور تم صحرا میں گم ہوئی ہو
تیرا قرب ان صحراؤں میں
سراب کے سارے تماشے دکھاتا ہے
اور بلاتا ہے
آجا
چلتے آ
مڑ کے نہ دیکھ
سیدھے دیکھتے آ
تیری نگہ میں دھرے بھرے شراب کی برکھا بادلوں میں کھلے
شباب
اور ان میں دہکتے انگاروں کی انگیٹھی پہ ناچتے شہاب مجھے بلاتے ہیں
اور میں
جاں بلب
ٹوٹے بدن
تھکے پیر لئے
تیری طرف میں چلتا رہتا ہوں
رکے بغیر

اور تو
میرے آگے آگے چلے جا رہی ہے
ذرا
رکو تو سہی
اس صحرا کے میرے سفر میں
جہاں تم نے میری یادوں میں گھس کے کسی دیومالائی دیس سے چرائے ہریالی کے نخلستان بنائے ہیں، وہاں کبھی رک کے تو دیکھو۔
تجھ سے زیادہ تیری یادیں میرا خیال رکھتی ہیں
میں تھکنے لگتا ہوں
تو
مجھے صحرا میں سراب دکھاتی ہیں
میں پانی کے مغالطوں میں چلتا رہتا ہوں
جب کہیں میں ٹوٹنے لگتا ہوں
تو
تُو ایک خوشگوار خوشبو بن کے
ٹھنڈے میٹھے پانیوں کے لمس سے لبریز
میری راہ میں آ کھڑی ہوتی ہے
اور کہتی ہے
آ جا
مسافر ٹھہر جا
میں ٹھہر جاتا ہوں
سو جاتا ہوں

تیری یاد، صحرا کے آسمان پہ وہ بدلی ہے جس سے میرے اندر کے موسم بدل جاتے ہیں تیری آواز کے ساتھ تیرا پورا وجود چلا آتا ہے۔ جو میرے پیاسے خشک ہونٹوں کے لئے گیلے میٹھے مہکتے ہونٹوں کی چھاؤں ساتھ لاتا ہے۔

تیرے آنے سے منظر بدل جاتا ہے۔

نہ دھوپ رہتی ہے پھر
نہ ریت کا پہاڑ دکھتا ہے
اجاڑ ریت جنگل میں
تم باغ بن کے اُگ آتی ہو
خوشبوئیں تیرا طواف کرتی ہیں
ذائقے تیرا پیغام ہوتے ہیں
تیری آنکھوں میں محبت کی قندیلیں جلتی ہیں
تیری نظریں میرے زخم چومتی ہیں
میرے تھکے ہارے
پیاسے
ٹوٹے وجود کا ذرہ ذرہ
تیرے قرب رس کی بوند بوند پیتا ہے
جیتا ہے
جی اٹھتا ہے
تم کڑکتی ہو
برستی ہو
میرے ریت ذروں پہ پھر وجد کا سماں ہوتا ہے
میں تیری محبت کی چھم چھم کرتی پازیب پہن کے بے خودی میں رقص کرتا ہوں تم

اس وجد آفریں رقص میں میرے پیرہن کا دامن بنی۔

میرے چاروں طرف دائرے بناتی رہتی ہو

صحرا کی بارش تو تیری یاد کی برکھا ہے

یا پھر میری آنکھیں برستی ہیں

کچھ بھی ہو

تم ہوتی ہو تو

جل تھل ہو جاتا ہے میرے اجڑے وجود پہ تم اپنی محبت بھری نگاہوں کا تمبو تان دیتی ہے۔ جس پہ بارش برستی ہے

میری آنکھ کے اندر یا میری آنکھ کے سامنے تم جب بھی آتی ہو

سہانا موسم ساتھ لاتی ہو

میرے پیاسے خشک کنکر ہونٹ

تیرا کنول چہرہ تکتی جھیل ڈھونڈتے پھرتے ہیں

جس کے کنارے کنارے

میں تیری یادوں کے باغ اگاتا ہوں

خوش رنگ پیڑوں پہ

رنگ برنگے پھول جیتے ہیں

اور پنچھی اتر کے

گیت گاتے ہیں

مجھے رلاتے ہیں

میں بے خود ہوا

بھولی بھٹکی روح بن کے

ان ہواؤں میں اڑتا پھرتا ہوں

جو تیرے قرب کو چھو کے
تیرے آنے سے پہلے تیرے آنے کا پیغام بن کے آتی ہیں
اور
مجھے پتہ ہوتا ہے
یہ ہوائیں میرا دل رکھ رہی ہیں
یہ وہ ہوائیں نہیں جو بارشوں کے آگے آگے
خوشخبری بن کے چلتی ہیں
کیونکہ
میں جانتا ہوں
تو کب سے
کہیں اور اتر کے
اپنے جسم و جاں میں لئے ساری نمی
ساری بارش
کہیں اور برسا کے
لوٹ چکی ہو
مگر
میں پھر بھی منتظر ہوں
شاید
کبھی تیرا رخ بدلے
اور تو اپنے بادل لئے
میرے صحرا کی طرف نکل آئے
اور

برس جائے
ریگزاروں کی قسمت میں عموماً بارش نہیں ہوتی

یہ جانتا ہوں
پھر بھی
تیری آس پہ جیتا ہوں
کہ میرے پاس جینے کا اک بہانہ تو ہے

لو
دیکھو
تم میری سوچ میں آ کے بیٹھی ہو
ہر طرف اجالا ہے
خوش گوار پہاڑ کا سبز دامن ہے
اور تو اس میں گنگناتی ہوئی ندی بن کے
چلتی آ رہی ہو
تیرے بازوؤں میں جھرنے ہیں
تیرے ہونٹوں پہ آبشاریں ہیں
یہ تیرے گال ہیں
یا جنگلی گلابوں کی جھاڑیاں ہیں
دیکھ صحرا بھی خواب تکتا ہے

اور
تُو تعبیر تک نہیں کہتی
مجھ کو دیکھ
پیاسے کے خواب کیسے ہیں

خود سے پوچھ
ان کی تعبیر کیسی ہوتی ہے

مانتا ہوں
تو صحرا کی کچھ نہیں لگتی
کبھی تیرا اس سے رشتہ تھا
مگر تجھے اب وہ یاد نہیں آتا
تجھے میٹھے پانیوں کے دیس نے اپنا لیا ہے
تو کھلے میدانوں کا باغ بن کے بیٹھی ہے
مگر
تیرا
چھوڑا ہوا
صحرا وہیں کھڑا ہے
جہاں تو اسے چھوڑ کے آئی تھی
میں کس سے پوچھوں
کس نے میرے جسم سے
میرے لہو کی شریان کاٹ کے کہیں اور رکھ دی
اور مجھے حکم دیا
کہ
زندہ رہو ریگزار کی مانند
صحرا میری طرح کا وہ بدنصیب مہرا ہے
جو موسموں کی شطرنجی بساط سے ہٹ کے بھی
بساط پہ رہتا ہے

شاہ بلوط کے ہاتھی گھوڑے پالنے کے لئے
حریص ہواؤں کی ہر یلغار میں سرکتا ہے
پٹتا ہے
چلو
مجھے اتنا اختیار تو اب بھی ہے
کہ تجھے سوچوں
تم کہیں بھی رہو
مگر سوچتے سمے
تم میرے پاس ہوتی ہو
پھر میں تمہارے کھلے بالوں میں
پھول رکھتا ہوں
تمہارے پھول جیسے ہونٹوں پہ ہونٹ رکھتا ہوں
تمہاری پلکوں کی چھاؤں میں
جی بھر کے سوتا ہوں
مگر جب آنکھ کھلتی ہے
تو وہاں
سوا نیزے کا سورج چمکتا ہوتا ہے
تُو
کہاں جا کے بس گئی ہے
کہ میرے خواب تک تمہیں چرا نہیں پاتے
ایک دو لمحوں کے لئے تمہیں لے بھی آئیں تو
سدا اپنے پاس بٹھا نہیں پاتے

ہاں
ایک صورت باقی ہے
اگر کبھی میری آنکھوں کو ایسی نیند مل جائے
جن میں تیرے سپنے ہوں
تیرا قرب ہو
اتنا گہرا جیسے ندی میں بہتے پانی کا لمس
جو بہے جائے
بہے جائے
کبھی نہ رکے
نہ آنکھ کھلے
نہ نیند جائے
سہانا خواب ہو
تمہارا ساتھ ہو
اور سوتے سوتے قیامت آجائے

O

راجکماری

دیکھ راجکماری

تم جانتی ہے

کیوں تمہیں میں راجکماری کہتا ہوں

یہ جانتے ہوئے بھی کہ نہ تو راج ہے اب تیرا

جو کبھی تیرا تھا

نہ رہی ہے وہ سلطنت تیری

جس کے لئے تو بنی تھی

مگر تو یقین رکھنا

کہ جس راج دھانی سے تُو نکلی ہے

وہ تیری ہے

اور نسل در نسل تیری ہوگی

وہ سلطنت جو کبھی تیرے قدموں میں ہوتی تھی
وہ آج بھی اماوس کی بھیگی راتوں میں
تمہیں پکارتی ہے
آواز دیتی ہے
سن دھیمی دھیمی آواز آرہی ہے۔
جیسے آسماں کے تارے اپنی کمانوں میں روشنی کے جگنو رکھے، تری طرف اچھالتے ہوئے سرگوشیاں کررہے ہیں۔
راجکماری
تو سن رہی ہے نا
تُو حقیقت سے
آنکھ نہ چرا
آسمان کے نیچے کی اس بے تاج دھرتی کی ہر راجیہ کی کوکھ خالی ہے یہاں راج سنگھاٹ کی ہر عمل داری کا کبھی نہ کبھی وشواش گھاٹ ہوا ہے۔
راج، سلطنت کبھی باوفا نہیں ہوئے
تُو تاریخ پڑھ کے دیکھ لے
نہ کسی راج نے سدا وفا دی
نہ کوئی سلطنت ہمیشہ ساتھ دیتی ہے
اگر تجھے اپنا کھویا عروج واپس لینا ہے
تو راج اور راج دھانی کا مفہوم اب بدل لے
جس راج دھانی میں دوام ہوتا ہے
وہ کسی مجھ سے سرپھرے کا دل ناتواں ہی ہوتا ہے

اور جو راج کا سوال تیرے ذہن میں آئے

تو چند مہکے بول

کچھ حسین یادیں

اور سرسراتی گھاس پتیوں پہ چلتی یخ ہوا کا احساس

ان سب کو گوندکے تو اس کو کوئی نام دے لینا

میں تو صحرا کے خانہ بدوش قافلوں کے راہ سے بھٹکے پہرہ دار کتوں کے نرغے سے نکلے اونٹ کی طرح

ایسے راج کو پیار کرتا ہوں

جہاں سواری خود اپنا سوار ہوتی ہے

تو بھی اپنے بن باس کے ریگزاروں سے نکل آ

اور اپنے دل کی آواز پہ کان رکھ کے سن لے

تجھے آواز نہ آئی

تو میرا نام بدل دینا

تیری سرتاپا حویلی میں جہاں پہاڑ، صحرا اور سبز گھاس کے تختے ہیں

جو تیری دیومالائی راج گدی ہے

جس کی صرف تو راجکماری ہے

لیکن جس پہ راج کرنے کا ادیکار تجھے کسی اور کو دینا ہے

میری راجکماری

اپنی پرجا کی سرگوشیاں سن۔

شاید میں تیرے ہونٹوں کی ان کہیوں سے لے کر تیرے تلوں کی تلملاتی راہ تک کی ساری پیاسی راہگزر پہ وہ بادل بن کے آؤں جو گرجتا بھی ہو اور برستا بھی ہو اور اپنی

ہر بوند کو تیسرے نرمل پیڑ کی ہر ٹہنی سے سرکا کے تیرے چرنوں میں بچھاتا بھی رہے۔

پھر تیری ایسی عمل داری جاری ہو، جس سے
اگلے وقتوں کے نصیبوں کی ریکھا زندہ رہے

سنا تم نے؟
پھر کیا حکم ہے، راجکماری؟

o
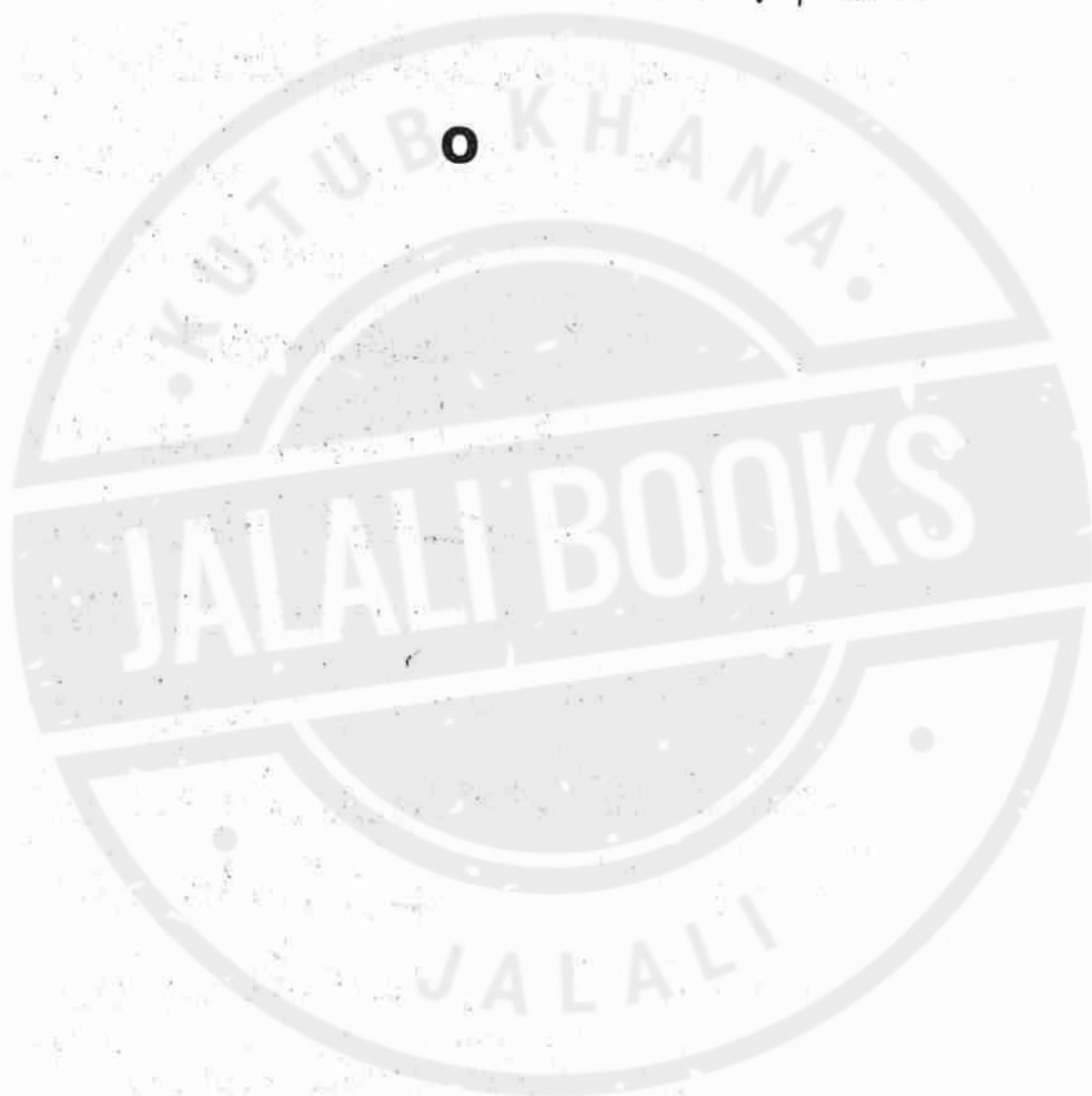
تو اپنی جیت کا اکیلے جشن منا

عجیب بات ہے
برس ہا برس کی رفاقتوں کو تم نے ایک جنبش قلم سے توڑ دیا
نہ کوئی دلیل دی
نہ فرد جرم عائد کی
جو اعتراض تیری آخری تحریر میں بین السطور تھا
ذرا غور سے دیکھ
وہی تو ہماری رفاقتوں کا حاصل تھا
میں تمہارے اس جنوں کو کیا نام دوں
نہ تم بے وفا تھی
نہ بے وفا میں ہوں
پھر وفاؤں سے کیوں خوف آنے لگا
کیا اپنے آپ سے ڈر گئی؟

یا میرا انداز محبت ہی بدنصیب تھا

اب کیا کہوں

کیا تیرے رویے پہ بحث کروں

تم مجھے چھوڑ کے خوش ہو

تیری خوشی سے مجھے خوش ہونا چاہئے؟

کیا کروں

کیسے منافقت کی بات کہوں، جو سچ نہیں ہے نہ جس کا حوصلہ ہے

سچ یہ ہے میری جان کہ میں خوش نہیں ہوں۔ دکھی ہوں۔ ریزہ ریزہ دل کے ساتھ میں آج بھی تیرا اور تیرے سندیس کا انتظار کرتا ہوں۔

دیکھنے کو درخت کی طرح سیدھا کھڑا ہوں مگر میں وہ کھوکھلا تنا ہوں جس میں دیمک کی طرح تیری یاد پلتی ہے۔

میری اس تحریر کو حلفیہ بیاں سمجھ

یہ میری ہار کا اعلان ہے

تو اپنی جیت کا اکیلے جشن منا

o

اس کی ہتھیلی پہ

ہم خسارے میں تو ہیں لیکن
خسارے ہم میں نہیں ہوتے
قسمت کی لکیریں موجود ہوتی ہیں
ٹرین کی پٹڑی کی طرح
متوازی سیدھی دو سیدھی لکیروں کی طرح جو کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملتی
جن پہ فائدوں اور خساروں کی ان گنت گاڑیاں گزرتی ہیں
قسمت کی لکریں تو نشان دہی کرتی ہیں
ہماری حد کی
کہاں جانا ہے ہم کو
کہاں تک جانے پہ قادر ہیں
یہ حد بھی بڑھ جاتی ہے

دعا سے

اور گھٹ جاتی ہے نظر بد سے

بد دعا سے

خسارے قسمتوں میں درج نہیں ہوتے

یہ لکیریں خالی ہوتی ہیں

جن کو "فل اِن" کرنا پڑتا ہے خساروں اور فائدوں کی عبارت سے

رجسٹر قسمتوں کا ایک ہوتا تو ہے لیکن

کورا ہوتا ہے

خالی ہوتا ہے

ہماری صبحیں، ہماری شامیں

لمحوں کی صورت میں امانت بن کے آتی ہیں

رقم ہوئے جاتی ہیں

کالم قسمتوں کے بنتے جاتے ہیں

بھرتے جاتے ہیں

یہ کالم فائدوں اور خساروں سے ماورا ہوں تو......

فائدہ ہے

صرف فائدہ

کہ ہم اپنی دانست میں

اپنے حوالوں سے انہیں ناحق نام دیتے ہیں

فائدے اور خسارے کا

مگر جو یہ حوالہ چھوڑ کے دوسری بار دیکھو

تو ہر عبادت میں کسی کا فائدہ ہوگا
کسی میں اپنا
کسی میں اور کا
اور جو تیسری بار دیکھنے کی اللہ ہمت دے
کہ جب اپنے حوالے سے بھی اپنی تفریق کر کے
نظر اٹھے
تو دنیا بھر کے فائدے اکٹھے ملنے لگتے ہیں
ساری نعمتیں رب کی
اپنی لگنے لگتی ہیں
انعام لگتی ہیں
خسارے بھی تنگی داماں کا باعث نہیں بنتے
اگر ہر حال میں
قسمت کے رجسٹر کو فائدہ مند رکھنا ہے تو اپنا یہ رجسٹر ہی کسی کے نام کر دو۔ کسی کے ہاتھ کی لکیروں میں جا بیٹھو
کسی کو بیٹھنے دو
اپنے ہاتھ میں جگہ دو
دعا کی جگہ
اور اٹھنے نہ دو
دیکھنا تم خود اس کی ہتھیلی پہ ہوگی جس سے دعائیں مانگی جاتی ہیں
جو متوازی سیدھی پٹریوں کو اکھاڑے بغیر جوڑ دیتی ہیں
پٹریوں پہ چلتی آتی گاڑیوں کی مانند۔

جو صرف جدا نہیں کرتی
ملانے بھی آتی ہیں
مجھے اپنی ہتھیلی سے نہ اٹھا

o
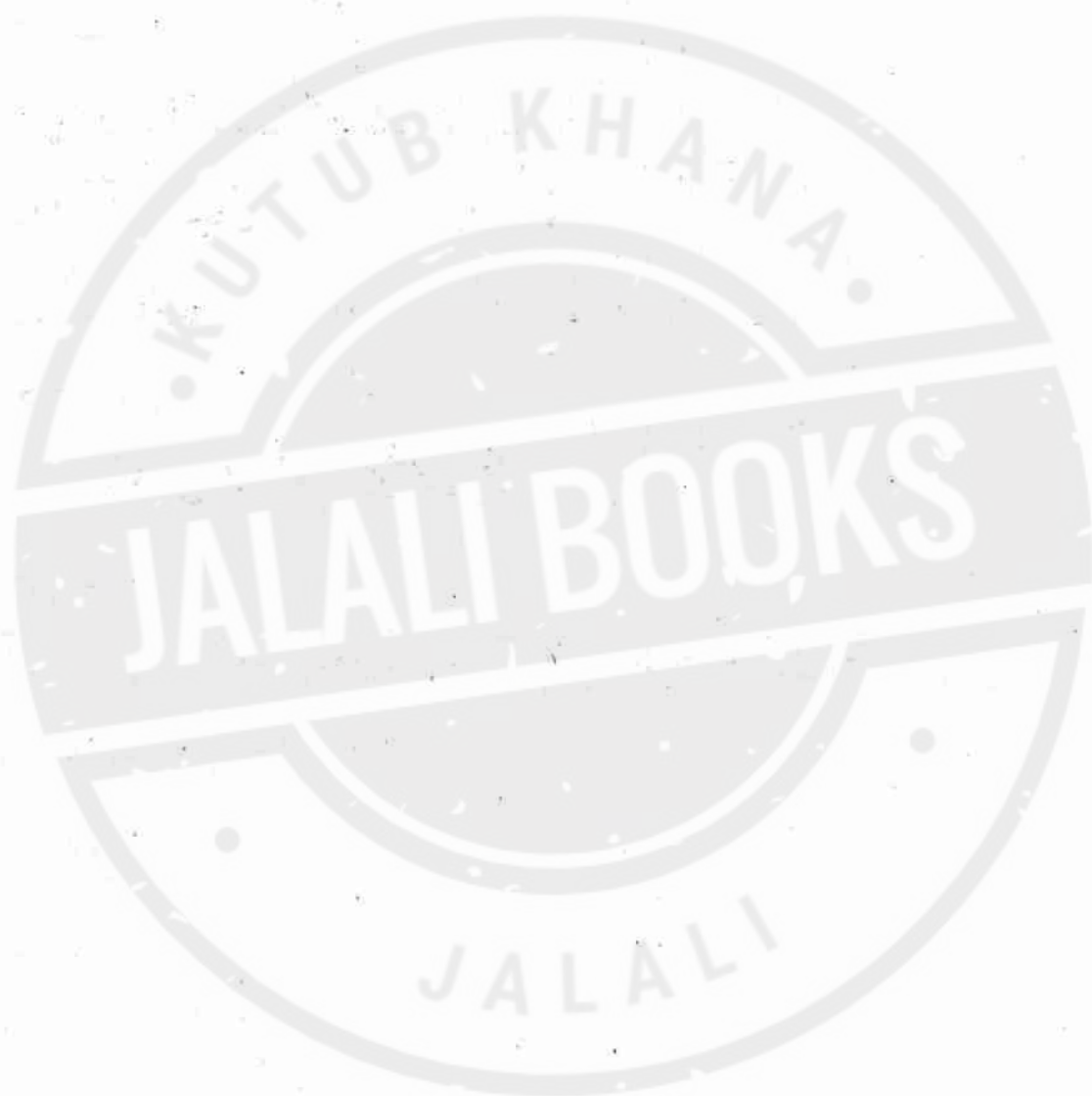
مل کے بچھڑنا

کیسے آؤں تم سے پھر ملنے
کیسے چڑھوں پھر سے ایک بار سولی
بس ملاقات ایک ہی بہت ہے حشر تک کے لئے
کہ موت بعد از موت نہیں ہوتی
تم مسکراتی ہو
یہ مسکرانے والی بات نہیں ہے
سنو تو سہی کیا مجھ پہ بیتی
تم سے ملنے سے پہلے اور تمہیں ملنے کے بعد
کہ ملاقات کے سارے لمحے ہی کچھ اس طرح گزرے
جیسے آنکھ کی ایک جنبش
یا دو لیے سانسوں کا درمیانی وقفہ
کیسے مدتوں تیرے پاس آنے کی پلاننگ کی تھی

کتنا سوچا تھا
اک اک سوچ کو سوچ سوچ کے کتنا سوچا تھا
کتنی چاہت سے چاہا تھا تیرے پاس آنے کو
کیسے تڑپا تھا
تمہیں ایک نظر دیکھنے کو
اور اب کیسے ٹوٹا ہوں اس ملاقات کے بعد
تو کیا جانے
کیا بیتی تھی تیرے پاس آنے سے پہلے پہلے
کیسے بیتائے تھے اک اک سانس
تیرے سانس سننے سے پہلے پہلے
کیسا خوش تھا میں آتے ہوئے تیری طرف
سوچتا رہتا تھا مدتوں اس ملاقات کو
کون سے پہنوں گا کپڑے تیری طرف آتے ہوئے
بیگ میں کیا رکھوں گا تیرے پاس جاتے ہوئے
کیسے نکلوں گا سنور کے تمہیں ملنے کو
کیسے پہنچوں گا تیرے پاس بنا سنورا
کیسا روشن ہوگا وہ دن جب اتروں گا تیرے شہر
جس کے کسی کونے میں تو سجی بیٹھی میری منتظر ہوگی
اور پورے شہر پہ تیرا روپ چڑھا ہوگا
ایسا ہی ہوا تھا
تیرا شہر ہی سارا نکھرا نکھرا تھا
دھوپ بھی اس کی سایوں کی طرح ٹھنڈی تھی

میں تیرے شہر کی سڑکوں پہ چلا تو کیا راحت تھی
تیرگی میں بھی اجالا تھا تیرے شہر کی گلیوں میں
تیرے محلے میں تیرا گھر ڈھونڈنا بھی اک عبادت تھی
ہر گھر کو عقیدت اور محبت سے دیکھ دیکھ گزرتا تھا
پھر تیرا دروازہ نظر آ گیا
ہزاروں سال کی برزخ کے بعد جیسے در جنت ملا ہو
میں نے دستک دی
اس دستک اور تمہارے دروازہ کھولنے تک میں ایک پوری زندگی جیا ہوں
تم دروازے پہ کھڑی مسکرا رہی تھی
اور میں نیا جنم لے رہا تھا
تمہاری مسکراہٹ نے راستہ دیا
میں اندر آ گیا
تیرے پاس چوبیس گھنٹے رہا
کہنے کو بہت وقت ہے
مگر میری ٹریجڈی دیکھو
کتنا چاہا تھا تمہیں ملنے کو
کیسی سوچی تھی ملاقات کی رات
وہ رات جس میں بہت کچھ کہنا تھا
بہت کچھ سننا تھا
کتنی باتیں تھی جو کہی جانی تھی
سنی جانی تھی
مگر وہ رہ گئیں

سمے گزر گیا
میں نے تو لمحوں کو مہینوں سوچا تھا
تیرے پاس آ کے گھنٹے بھی لمحے بن گئے
ساری ملاقات آنکھ جھپکنے میں گزر گئی
ہوش آیا
تو پھر وہی دہلیز تھی
دہلیز کے باہر کھڑا تھا جدائی کا بے رحم صحرا
تم صحرا سے ناواقف ہو
کیا ہوا جو صحرا میں رہتی ہو
صحرا تو تمہارے اندر نہیں رہتا، نا
جب یہ اندر بسنے لگے تو جدائی کی طرح ہوتا ہے
جدائی بھی تم کیا جانو
جدا تو میں ہوا تھا
میں جانتا ہوں
کیا مجھ پہ بیتی
تیری دہلیز سے باہر قدم نکالا تو خیال آیا
ابھی آیا تھا
ابھی جا رہا ہوں
اور تم کیا جانو
واپسی کی وہ ویرانی
جو میں نے دیکھی
تیری گلی کی ہر منڈیر پہ

تیرے شہر کے خاموش بازاروں میں
وہ خدوخال تیرے شہر کے
جو آتے سمے چومتا آیا تھا
مجھے ڈس رہے تھے
وہ جوتے جو مخمل کی طرح اڑاتے تیری طرف لائے تھے
میرے پیروں میں میخوں کی طرح کھبے تھے
وہ تیرا سندر سوہنا شہر
جنگل بن گیا تھا
جس نے تمہیں چھپالیا تھا

تم کیا جانو
کیسے تمہیں سمجھاؤں
تیرے ہی شہر کی راہوں کا فرق
ایک وہ جو تیری طرف لے کے جاتی ہے
دوسری وہ جو تجھ سے اٹھا کے لاتی ہے
کہنے کو وہ ایک ہی سڑک ہے
پر ایک نہیں ہے
مانتا ہوں
تجھ سے ملنا زندگی ہے
کہ زندگی تیری گود میں ہے
وہ گود جو چھاؤں ہے
دنیا بھر کی دھوپ میں
پر تم نہیں جانتی

دھوپ، چھاؤں سے نکل کے کتنی چبھتی ہے
تم کہتی ہو
پھر آؤ
تیرے بلاوے کو کبھی ترستا تھا
تیرے بلاوے سے اب خوف آتا ہے
دھوپ میری رگوں میں کڑکتی ہے
کاش تم پہ بھی یہ بیتے
جو مجھ پہ گزری ہے
تم بھی کسی کو ملنے آؤ
اور بچھڑ جاؤ

o

شارٹ سرکٹ

ہیلو......!

جاگونا۔

اٹھو......چاندنی......چاندتو کب کا چلا گیا

دیکھوتو......آنکھیں کھولو۔

تمہاری آنکھیں کھلیں گی تو وہ پر کیف اجالا ہو گا اور میں وہ رنگ دیکھوں گا، جنہیں دیکھنے پہ میری آنکھوں کو قدرت نہیں

رات تم میری چاندنی تھی

اب صبح

تم میرا سورج ہو

تم تو میری دھرتی بھی ہو کہ میرے قدم کبھی تم سے جدا نہیں ہوتے

میں جدھر جاتا ہوں

تم ہی لیجاتی ہواور ساتھ ساتھ چلتی ہو۔ساتھ رہتی ہو۔

جب سایہ بھی ساتھ چھوڑ دے۔گھپ اندھیرا ہوتم ساتھ دیتی ہو
جاگ گئی؟
دیکھو، تمہاری آنکھوں میں ابھی تک نیند کا خمار ہے
کتنی بوجھل مخملی اور بھاری ہو رہی ہیں تمہاری آنکھیں۔
ہاں۔نظر آتیں ہیں مجھے۔
ہر وقت انہی آنکھوں سے دیکھتا ہوں جو بھی دیکھتا ہوں۔
لگتا ہے۔
تمہارے چہرے پہ لگی آنکھیں میری آنکھیں ہیں اور میں تمہاری آنکھوں سے
تم ہی کو دیکھتا ہوں
ہاں راہ کا فاصلہ تو ہے
بہت دور بیٹھی ہو تم۔
زمین کے پیمانے سے ناپوں تو سینکڑوں میل دور
مگر آسماں کی آنکھ سے دیکھوں تو پاس ہی بیٹھا ہوں میں
تمہارے سندر دیس سے پرے اجنبی دیس کے اجنبی لوگوں کے درمیان
تنہا چلتے پھرتے ہوئے۔تمہاری شناسا آنکھیں ہی تو ہیں جو پل کے طرح مجھے
تیرے دیس کے گلی کوچوں سے باندھے ہوئے ہیں
مسکرا رہی ہو؟
تمہارے مسکرانے کی آواز آرہی ہے
تم نے خود اس آواز کو سنا ہے کبھی؟
میں بتاتا ہوں
کسی سبز گھاس سے بھرے پہاڑ کی ڈھلوان پہ تم بیٹھی ہو۔صبح کی سلیٹی روشنی ہے۔
ڈھلوان سے نیچے، ٹھنڈے نیلے پانی کی جھیل کے کنارے۔تم اپنی کہنیاں گھاس پہ

ٹکائے ہوئے الٹی لیٹی ہو۔ آس پاس کوئی نہیں۔ دور دور تک خاموشی ہے۔ بس ڈھلوان پہ اگے، سیدھے کھڑے چیڑ اور صنوبر کے درختوں پہ پرندے شور مچا رہے ہیں۔

تم کچھ سوچ رہی ہو

سوچتی رہتی ہو۔

پھر لمبی سبز گھاس کی جڑوں میں چھپی چند سنگ مرمر کی کرچیاں اٹھا کر، بے خیالی میں ٹھہرے ہوئے پانی کی سطح پہ پھینکتی ہو۔

جھیل کی سطح کا سکوت ٹوٹتا ہے

دائرے سے وہاں بنتے ہیں

وہ پھیلتے ہیں

اور غائب ہوتے جاتے ہیں

مگر جھیل کی سطح پہ ابھی تک اسی آواز کی لہریں کانپ رہی ہیں

سنو۔ یہی آواز ہے تمہارے مسکرانے کی۔

تم پھر مسکرانے لگی۔

اب دیکھو۔ جھیل کی سطح پہ دائرے سرگوشیاں کرنے لگے ہیں

سنو تو۔

ہیلو۔

تم سن رہی ہونا؟

کبھی تم نے ایسی ہی کسی نیلی گہری جھیل کو پہاڑوں کی گود میں سوئے ہوئے دیکھا ہے؟

تمہارے سوچنے کی سرسراہٹ آ رہی ہے

سوچ رہی ہو؟

دیکھا ہوگا۔

جس کے سرہانے سلیٹی ریشمی سنہری گوٹے والے ڈوپٹے میں لپٹی ٹھنڈی صبح
اندھیرے کے سینے پہ لیٹے ہوئے چپکے چپکے آنکھ کھول رہی ہو۔
جب نہ کوئی سایہ ہوتا ہے
نہ دھوپ۔
ہر شے جیسے شفاف شیشے کی صراحی سے نکلے ہوئے مدہوش ذائقوں میں گندھی
ہوتی ہے۔
ہر چیز ایک گہری رات کے بعد
ایک مختصر سی موت کے بعد۔ پھر سے جنم لے رہی ہوتی ہے۔
ہاں
نیند بھی ایک مختصر سا برزخ ہے شاید
زندگی اور زندگی کے درمیاں
بندگی اور تابندگی کے بیچوں بیچ
تمہاری آنکھیں بند کرنے اور کھولنے کا درمیانی وقفہ۔
تمہارے جاگنے اور جاگنے کا درمیانی وقت
لیکن ایک فرق ہے!
تمہاری نیند سے بھری ایک رات، تمہارا اک لمحہ
میری رات، شام زندگی سے صبح محشر تک کا لمبا سنگلاخ پہاڑ
سوچتا ہوں۔
تم اپنا یہ ایک ''لمحہ'' کبھی میرے ساتھ ہوتی
تو میرے سنگلاخ پہاڑ، بادل بن کے اڑنے لگتے
روئی کے گالوں کی طرح
ہوا سے بھی ہلکے ہوتے وہ

اور تمہاری سانسوں سے مہکتے
تو میں یقین کر لیتا کہ تیری آنکھوں سے لپٹ کر آنے والی زندگی کی کرنوں نے
پگھل کر پانی بن کر
آبِ حیات کی صورت
میرے جسم کے خلیے خلیے میں نفوذ کر لیا ہے
پھر میں جیتا
اور کبھی نہ مرتا
اور سمجھتا کہ میں نے زندگی کو زیر کر کے موت کو فتح کر لیا ہے
میری عمر پھر اتنی ہوتی۔
جتنی روشنی کی عمر ہے
جو ازل سے ہے
اور ابد تک ہے
میں جو بھی ہوں اسی سے بچھڑا ہوا
اُس کا لیا اک سانس ہوں
اک ننھا سا بلبلہ
کھٹ سے ابھر کے، ٹُھس ہونے والا۔

ہے نا؟
تم سن رہی ہو نا۔
میں کہہ رہا تھا صبح ہو رہی ہے
پھول کلیاں، پتے، درخت، مٹی، پانی اور دھواں۔
ہر شے کا رنگ دھیرے دھیرے اُسے واپس مل رہا ہے
سب اپنی اپنی پہچان اور اپنے اپنے نام واپس لے رہے ہیں

مگر تمہارا نام کیوں نہیں بدلتا؟
اندھیرے اور روشنی میں تم ہمیشہ ایک سی لگتی ہو
ایک ہی رہتی ہو۔
نہ تمہیں دیکھنا روشنی کا احسان ہے
نہ اندھیرا تمہیں چھپانے پہ قادر ہے
شاید اس لئے کہ میں تمہیں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتا
میں تو تمہیں۔ تمہاری ہی آنکھوں سے دیکھتا ہوں
اور کوئی اپنی آنکھوں سے کبھی ایک پل کے لئے بھی دور ہوتا ہے
مگر میں نے تو تمہاری آنکھیں بھی نہیں دیکھی
بینا آنکھیں سب دیکھتی ہیں
سوائے اپنے
ہاں تم تو جانتی ہو یہ
اور جاننے کے لئے جانے جانا بھی ضروری نہیں ہوتا ہے۔
ہے نا؟
کس سوچ میں پڑ گئی؟
دیکھو۔
یہاں پہاڑوں کی سبز ڈھلوانوں پہ برف سے اٹی چمکتی سفید چوٹیوں سے جب صبح اتر کے آتی ہے تو اُس میں جھرنوں کی آواز
چشموں کی ٹھنڈک
ٹھنڈے میٹھے پانیوں کا لمس
جنگل پھولوں کی مہک
آزاد پرندوں کی چہچہاہٹ

اور تمہاری آنکھوں کی سی روشنی ہوتی ہے
شرمیلی شرمیلی سی۔
جس سے دھندلا دھندلا سب نظر آتا ہے
مگر وہ خود نظر نہیں آتی
اسے دیکھنے کے لئے آنکھوں کو بند کرنا پڑتا ہے
ہاں دیکھو، میری آنکھوں پہ ہاتھ پھیر کے دیکھ لو، بند ہیں
جڑے ہوئے دو سیپ کے ہونٹوں کی طرح
جانتی ہو۔
اس سیپ میں کونسا موتی ہے
تم
اور تم ہی سے میرے اندر سارا جگ مگ ہے
تم خود بھی نظر آ رہی ہو
سر سے پاؤں تک۔ ساری کی ساری۔
کیوں گھبرا رہی ہو؟
صرف دیکھ رہا ہوں۔
حیراں کیوں ہوتی ہو؟
کیا؟
تیسری آنکھ؟
نہ...... دیوتاؤں کے قصوں سے نکل آؤ۔
بھول جاؤ، دیومالائی صحیفوں کے دیوتاؤں کو
ان کے چہروں پہ دو کے سوا کبھی کوئی تیسری آنکھ نہیں ہوئی۔
جو کبھی سنا، غلط سنا۔

کبھی کسی دیوتا نے خود کو۔ خود کے روبرو دیوتا نہیں کہا
ہر دیوتا کسی دوسرے کی تیسری آنکھ کی دریافت ہے

ہاں۔
تم میری دریافت ہو۔
کیا؟
میں کولمبس ہوں۔ تم امریکہ اور تمہیں میں انڈیا سمجھ رہا ہوں؟
نا بھئی، نا۔
میں اتنا کاہل نہیں۔ نہ اتنا احمق کہ بھٹکے ہوئے راستے کے آخری کونے میں تھک کے بیٹھوں اور جو بھی زمیں پاؤں کے نیچے آئے، اسے منزل کہہ دوں۔

نہ نہ
تم اگر وہ نہ ہوتی۔
جسے میں ڈھونڈ نے نکلا تھا، تو میں ٹھہرتا کیسے۔
رکتا کیوں۔
کیوں کھڑا رہتا۔
یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم وہ نہیں ہو۔ جسے تم ہونا چاہیے، جسے ڈھونڈ نے نکلا تھا۔
ہاں تم میری منزل ہی ہو۔
مگر تم تک پہنچنا ہی میری منزل نہیں۔
کہ میری منزل تو تمہارے راستے کی دھول بھی ہے
اور تمہاری طرف جانے والا ہر راستہ بھی میری منزل ہے
میں تم تک پہنچوں یا نہ پہنچوں۔
تم میری دسترس میں رہتی ہو۔
ہیلو!

ہیلو......ہیلو۔
تم سن رہی ہونا؟
کچھ تو بولو۔
تمہارے ہونٹ خاموش کیوں ہیں۔
میں جانتا ہوں، تم سن رہی ہو۔
میری ایک ایک بات۔ میرا ایک ایک جملہ، جو بھی میں کہتا ہوں۔
بلکہ تم تو وہ بھی سن لیتی ہو۔ جو کہنا چاہتا ہوں۔ اور کہہ نہیں پاتا۔ یا وہ جملہ جو کہہ دیتا ہوں اور کہنا نہیں چاہتا۔
لیکن تم بھی بات کرو۔
میں بھی تو تمہیں سننا چاہتا ہوں
پلیز، تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی
اپنے ہونٹ وا کردو
ایک آدھ، بے معنی سی ہی سہی
کوئی بات کردو
کچھ بھی۔
بے شک آج پھر وہی کہہ دو۔
سوری رانگ نمبر
میں تمہارا نمبر جانتا ہوں
کل پھر ڈائل کروں گا

اسی وقت
صبح کی سلیٹی روشنی میں
اپنے تکونی ٹین کی چھت والے کمرے میں کمبل کی بکل میں بیٹھ کے پہاڑوں کی

طرف کھلتی ہوئی کھڑکی کے پٹ کھول کے، تمہاری یادوں کے سمندر میں، اپنے ہوش کناروں سے دور۔ تمہاری محبت کے جوار بھاٹا میں، تمہارے چاند سے چہرے پہ چمکتی چاندنی سی نظروں کے نیچے آنکھیں بند کیے، تمہاری آنکھوں سے دنیا کی آنکھ کھلنے کا منظر دیکھتے ہوئے۔

تم سے باتیں کروں گا
اپنے اسی ٹیلی فون سیٹ سے
جسے بنانے والے نے کسی اور تار سے جوڑا ہی نہیں
جس میں صرف میری ہی آواز کی بازگشت آتی ہے
یہ بازگشت آتی رہے گی
جب تک میں بولتا رہوں گا
اور جب میں چپ ہوا
تمہیں سنوں گا۔
کہ تم کبھی آئی، تو مجھے چپ کرانے ہی آؤ گی۔
ساتھ لے جانے آؤ گی
ان کانوں سے تمہیں سننا ممکن ہی نہیں۔
نہ ان آنکھوں سے تم دکھتی ہو۔
بس ان ہونٹوں کو نجانے کیسے اجازت مل گئی تم سے بات کرنے کی۔
ورنہ تم تو وہاں ہو
جہاں میں بنا تھا
جہاں مجھے جانا ہے اور واپس نہیں آنا ہے۔
تم ہی نے لے کے جانا ہے۔
لے جاؤ

آ جاؤ
کہ ان آنکھوں اور کانوں میں مجھے اور نہیں رہنا ہے
یہ بے اعتبار ساتھی ہیں
جو دِکھتا ہے
جو سنتا ہے
وہ ہوتا ہی نہیں
جو ہوتا ہے
وہ نہ دکھتا ہے
نہ سنائی دیتا ہے
تم سن رہی ہو نا۔

o
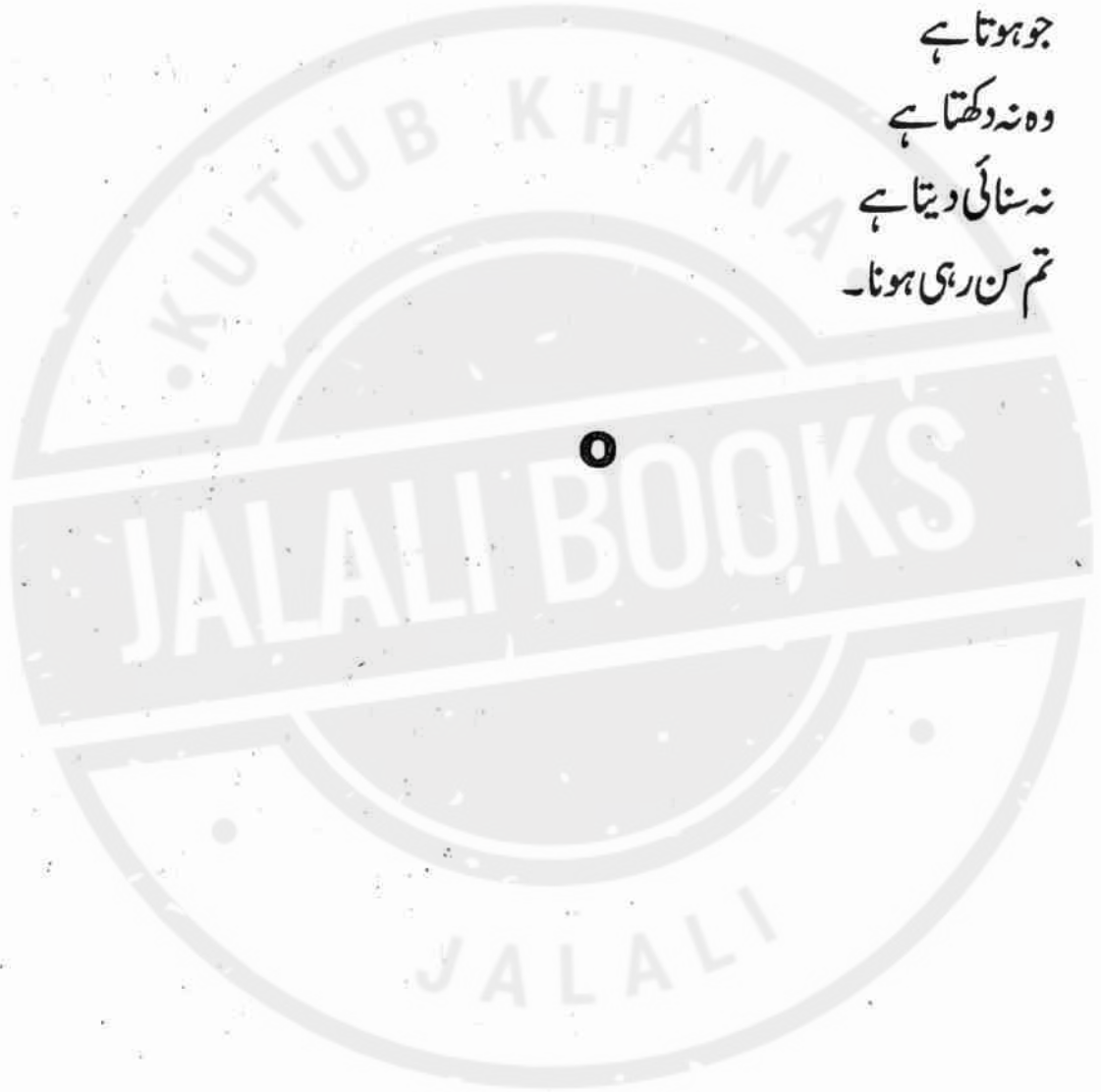
فریجڈ

گلابی رنگت اور میٹھے شیشے کی سی ملائمت
اسے ہاتھ لگا کے جی چاہتا کہ ہاتھ پھیرتا جاؤں
ٹھنڈی یخ، ہر وقت ڈیپ فریزر میں پڑی پسینہ بوند بوند بہاتی رہتی۔
ذائقے اس کے جسم پہ لکھے تھے۔
اسے دیکھ دیکھ کے منہ کھٹا میٹھا ہوتا رہتا اور جی چاہتا کہ ہاتھ بڑھاؤں، ہمت کروں۔ اٹھا کے ڈھکن کھولوں اور غٹا غٹ پی جاؤں
ایک دن ہمت کی
ہاتھ بڑھایا، ڈیپ فریزر کھولا
وہ اپنے چاروں طرف برف حصار بنائے، جمی پڑی تھی
اس کے ماتھے پہ پسینہ تھا۔ جیسے اندر آگ بھری ہو
میں نے ڈیپ فریزر بند کیا، اور برف پگھلنے کا انتظار کرنے لگا
برف پگھل گئی

اس کے پہرے داروں نے اس کا دامن چھوڑ دیا
اور وہ اپنے ہی گھر میں ڈوبنے لگی

میں نے اسے پکڑ کے نکال لیا اور دونوں ہاتھوں سے اسے سہلانے لگا۔ ہاتھوں میں خون جمنے لگا۔ شریانیں اچھلنے لگیں۔ اسے اوپر کیا۔ ہونٹوں تک لایا اور دانتوں سے ڈھکن اتارنے لگا۔ ڈھکن ہونٹوں کے لمس سے ہی نیچے گر پڑا اور میرے پیروں میں گرے ہوئے سکے کی طرح اچھلتا ہوا بجتا دُور لڑھک گیا۔

میں نے اس کے کھلے منہ کو چھوا
بے نور آنکھوں کے کھلے پپوٹوں کو بند کیا

اس کا گرا ڈھکن اٹھا کر اسی طرح اس کے منہ پر رکھا اور جھک کے پھر سے اسے ڈیپ فریزر کے ایک کونے میں کھڑا کر دیا۔

فریزر آن کر دیا

اور دور کمرے کے ایک کونے میں کھڑا ہو کے دیکھنے لگا کہ اب کون پیاسا دھوکا کھاتا ہے۔

o

ملن کی رات

میرا جی چاہتا ہے
تیرے پاس آؤں
اور مر جاؤں
مرتا تو پہلے بھی آیا ہوں
ہر ملاقات کے بعد جدائی
موت ہی ہوا کرتی ہے
لیکن جدا ہو کے جو موت ملتی ہے
وہ جلاتی ہے
تڑپاتی ہے
جیسے تجھ سے مل کے گناہ ہوا ہو کوئی
کہ جدائی کا جہنم پھر نصیب بننے آیا ہے
میں اس طرح مرنے کی بات نہیں کرتا

میں اس موت کی بات کرتا ہوں
جو تیرے وصل کو اتنا لمبا کر دے
کہ جب حشر کے دن میرا نام پکارا جائے
تو بھی
میں تیرے پاس سے اٹھوں

سنا ہے
حشر کے دن والے کا ایک وعدہ ہے
کہ اس دن
ہر کوئی
اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا
دیکھ
تجھ سے زیادہ
وہ میرا خیال رکھتا ہے
سوچتا ہوں
کیوں نہ
تیری جگہ
اسے ہی اپنا محبوب کہہ دوں
وعدہ تو پھر بھی اپنا وہ نبھائے گا

O

پروں پہ موم

پہلی بار جب تمہارے آنگن پہ
بجلیاں کڑکیں تھیں
بادل برسا تھا
تم کیسے خشک رہی
کیا تیرے پروں پہ موم لگا ہے
یا تم ریت سے بنی ہو
ساری بارش سہتی رہی
نہ نہ خود سے کہتی رہی
سوچوں میں ڈوبی
بارش میں بیٹھی
بارش کی بوندوں سے دور
ریت کے گھروندوں میں جیتی رہی

موسلا دھار بارش کے نیچے
گھنٹوں بیٹھی رہی

اور پیاسی رہی
صدیوں بعد تیرے آنگن پہ بادل آیا تھا
شاید برس ہا برس کی خشک سالی تھی
کہ تو مٹی سے ریت بن گئی
اور تو نے اپنے گلشن کا صحرا بنا لیا
اسی لئے مجھے شک ہوتا ہے
کہ صحرا کے ریت ذروں کے ہر چہرے پہ
تیری طرح کا موم ہوتا ہے
ان پہ بارش پڑے تو بھی وہ گیلے نہیں ہوتے
جیسے برسوں کے برستے ساون
تم نے اپنے موم لگے پروں کی دہلیز سے دور رکھے
اور برکھا رُت کے بلاوے کے گیت گاتی رہی۔

O

انقلاب

سب کچھ وہی پرانا تھا
نیا کچھ نہ تھا
نہ بستر نرم تھا
نہ موسم میں رنگ تھا
اپنی کوئی ادا بھی لبھانے کے لائق نہ تھی
ہاں ایک فرق تھا
ایک خیر تھی
مدت سے جس کے خواب تھے
آج وہ خود بھی تھی
سارے ماحول پہ اک انقلاب تھا
وہ تھی
میں تھا

اور کچھ خبر نہ تھی
میں اپنی بند آنکھوں کے باہر
بے وزن
اور وہ اپنے کھلے ہاتھوں میں مجھے اٹھائے ہوئے تھی

o
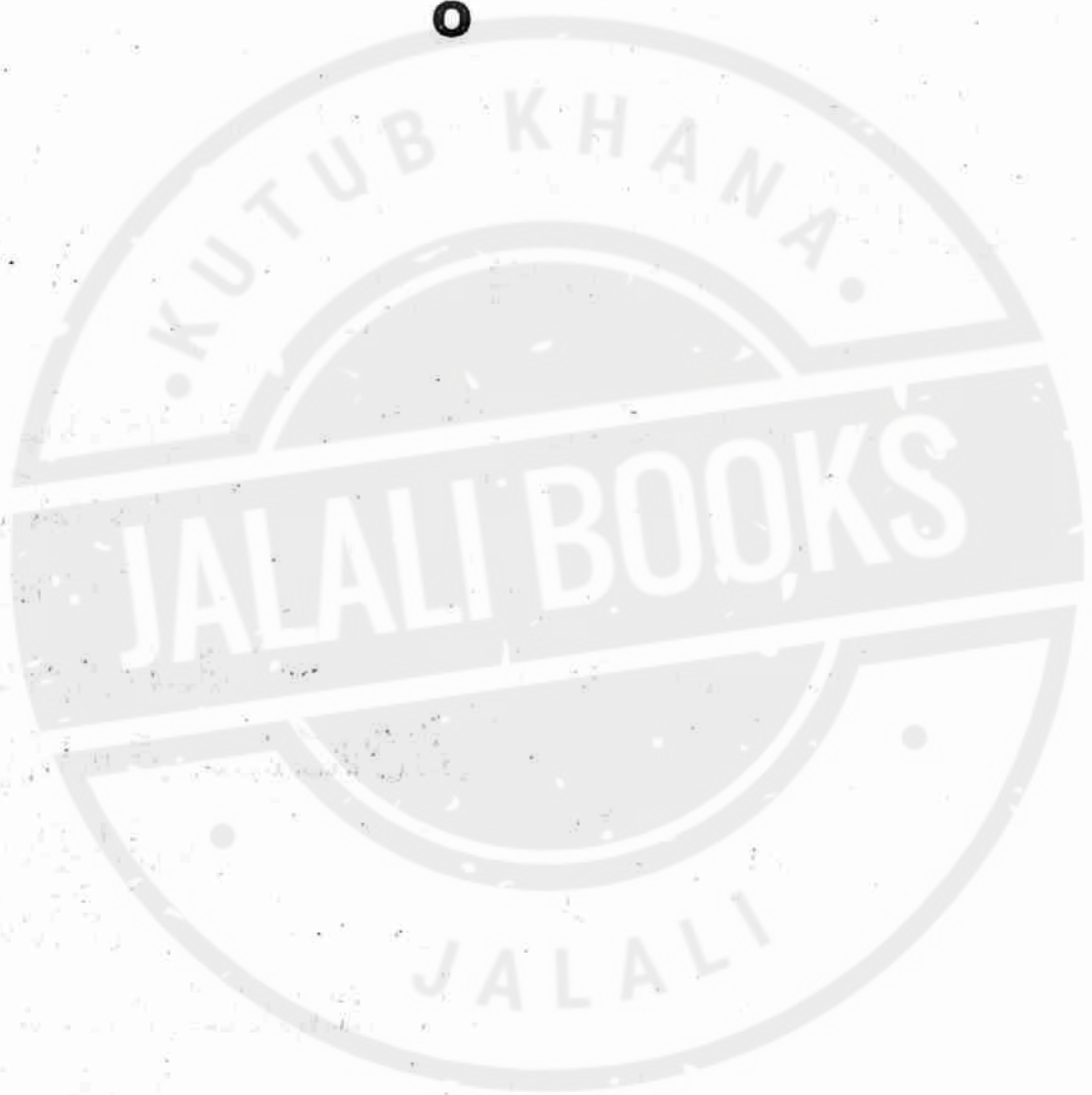
ورنہ

مجھے پتہ ہے تو ساتھ والے کمرے میں تھی
اور تیرے ساتھ کوئی نہ تھا
اور ہمارے دونوں کمروں کے بیچ
کوئی اور کمرہ نہ تھا
یہ بھی مانتا ہوں
کہ ہمارے دونوں کمروں میں روشنی نہیں
اندھیرا تھا
پھر یہ بھی جانتا ہوں کہ
بیچ کے دروازے پہ
کسی طرف سے بھی کنڈی نہیں لگی تھی
دروازہ تھا مگر کھلا تھا
پھر کیوں نہ تو آئی

نہ میں اٹھ کے تیری طرف آیا
حالانکہ ہم دونوں ہی
اک دوسرے کے منتظر تھے
اپنی وضاحتیں کیا دوں؟
میں تو کم ہمت ہوں
اپنی بہادری دکھا کے تجھے کمزور ہوتا کیسے دیکھوں؟
مجھے کمزور رہنے دو
مگر میری کمزوری کا فائدہ تو اٹھاؤ

آؤ
کل کی رات جب یہ سمے آئے
تو آ جانا
میری بزدلی کی داستاں
مجھے سنا جانا
ورنہ مجھے آنا پڑے گا

یہ بتانے
کہ تم کتنی بہادر ہو
کہ تیری بہار سے بھری بہار رُت
اندھیری رات میں جگنوؤں کا رستہ ہے

o

زیرِ لب

آخری بار تمہیں عجیب طرح دیکھا تھا
تو سرخ جوڑے میں ملبوس تھی
تیرے ساتھ تیری ہم جولیوں کا جلوس تھا
اور میں کچھ نہ تھا
نوباڈی
اتفاق کی بات ہے
جس دروازے سے میں اندر گیا تھا
اس دروازے سے تم گزر رہی تھی
میرے آگے آگے
تجھے خبر نہیں تھی
کون تیرے پیچھے ہے
تو، تو شاید سوچ میں تھی کہ کون تیرے آگے ہے

جس کے لئے تو سج دھج کے سنوری ہوئی تھی
تیرے گلاب کی خوشبو سیڑھیوں سے اتر رہی تھی
تو چڑھ رہی تھی
اور میں چڑھتے چڑھتے رکا کھڑا تھا
تو چڑھ گئی
میں رکا رہا
اب تو نجانے کہاں ہے
شاید تو جانتی کہ آخری سیڑھی کا موڑ مڑنے تک
جو تیرے دو قدم پیچھے تھا
وہ ایک پورا جنم پیچھے رہ گیا ہے
تیری شادی کا کارڈ ہاتھ کی مٹھی میں لئے
ابھی تک
وہیں اک سیڑھی پہ کھڑا ہے
یہ جانتے ہوئے بھی
کہ جس زینے پر تو چڑھی ہے
اس پہ اترنے کا راستہ نہیں ہوتا
میں کہاں جاؤں
نہ اتر سکتا ہوں
نہ چڑھ سکتا ہوں
تو نے اپنی شادی پہ بلا کے
مجھے جس سولی پہ لٹکا دیا ہے
میں وہیں ہاتھ کھولے

سیدھا لٹکا
میخوں میں گڑھا

خون خون ہوا لٹکا ہوا ہوں
کبھی کسی نیک لمحے میں پھر
ادھر سے گزرو تو جان لینا
میرے بدن سے ٹپکتے
لہو کا اک اک قطرہ
تیرے خوشگوار مہکتے کل کی خوشیوں کے لئے دعا ہے
دعا بھی ایسی جو زیر لب ہے

o

دیکھ

ہاں صحرا ایسے ہی بنتے ہیں
جیسے تم خود کو بنا رہی ہو
بارشوں سے رخ موڑ کے
دریا سے خفا ہوئے
دھوپ کی چھت بن کے
مگر اب
تیرے صحرا میں پھول کھلنے والے ہیں
کیونکہ
بادلوں نے تیرا گھر دیکھ لیا ہے
وہ پھر آئیں گے
برسیں گے
انکا کام ہی برسنا ہے

تم کب تک ریت بنی رہو گی
بارش میں ریت کی رِیت بدل جاتی ہے
دریا کا پانی اپنے ساتھ چکنی مٹی لاتا ہے
تمہارے ریت ذروں پہ بھی مٹی کا بچھونا ہے اب
تُو تو ریت تھی
ریت گھروندے ہی تیرے گھر تھے
مگر اب تیری ریت اور میری مٹی کے ملن کارن
تو اپنے ریت گھروندے سے نکل آئی ہے
دیکھ
تیرے اندر
تیرے اوپر
اک دریا بہہ رہا ہے
تو اب صحرا نہیں رہی
باغ بننے سے کچھ پہلے کی زرخیز کھیتی ہے
آؤ مل کر اس باغ کی شادابی کے لئے دعا مانگیں
جس پہ پھل پھول آئیں
اور پرندے چہچہائیں

O

معصوم پری

تم نے اچھا نہیں کیا
جو میرے سامنے آئی
اے انجان
معصوم پری
بہت سے لمبے بالوں وای
شوخ چمکتی آنکھوں والی
تو نے اچھا نہیں کیا
سامنے آنا ہی تھا
تو ایسے آتی
جیسے ٹی وی کی تصویریں آتی ہیں
چلی جاتی ہیں
نہ کوئی روکے ہے انہیں

نہ وہ رکنے کے لئے آتی ہیں
تُو تو سامنے آئی ایسے
جیسے آتا ہے براوقت
جیسے آتی ہے قضا
آئی
تو رک گیا وقت
ٹھہر گئے وقت کی رفتار کے پہیے
اور
جم گیا میں
مانند برف
اس تپتی ہوئی ملاقات کی سل میں
وہ چند لمحوں کی ملاقات
وہ مٹھی بھر وقت تمہیں تکنے کا
تمہیں سننے کا
وہ وقت گزر گیا
تو طوفان آیا
زلزلہ آیا
تو چلی بھی گئی
مگر مجھے نظر آتی رہی
اسی طرح مسکراتی
شوخ آنکھوں سے
لمبے بہت لمبے بالوں سے

میٹھی میٹھی باتوں سے
شہد ہی شہد میں لتھڑی
مٹھاس سے بھری لدی
سر سے پاؤں تک
میں لرزنے لگا
بوٹی بوٹی ہونے لگا
ایک دن پھر تم سامنے آ گئی
پھر وہی آنکھیں
وہی بال
وہی باتیں
اور وہی میری حالت
طوفاں، زلزلے اور بھونچال
حیرت ہے
تمہیں احساس تک نہیں ہے
کہ تم کیا کیا اٹھائے پھرتی ہو
تم جیسی لڑکیوں پہ ہی پردہ واجب ہے
یا اگر نکلنا ہو باہر
تو کوئی لائسنس ہو
جیسے بندوق کا ہوا کرتا ہے
تم کیا بندوق سے کم فائر کرتی ہو؟
اُف
تیرے بال

کیسی انجان ہو
کہ طوفاں لئے چلتی ہو
اور بے خبر ہو
تمہیں احساس تک نہیں ہے
کہ تیری آنکھیں عام سی آنکھیں نہیں ہیں
یہ تو ٹکٹکی ہیں
جن پہ بندھ جاتا ہے
بندہ
جو انہیں دیکھ لے
تو نہیں جانتی کہ ان آنکھوں کے رنگ
جو تیرے مسکرانے سے ابھرتے ہیں
معصوم پری
تمہیں معلوم نہیں
کتنے پھول ہیں
تیرے بدن پہ چپکے
کتنے رنگ ہیں ان پھولوں کے
جو ایک ایک کر کے گرتے ہیں
جب جب تو بات کرتی ہے
اور باتیں بھی تو صرف تم کرتی تھی
میں سنے جاتا تھا
پھول پروئے جاتا تھا
وقت کے دھاگے کا ہار گندھے جاتا تھا

کہ تیرے جانے کے بعد بھی

یہ ہار میرے پاس رہے
اور مہکے
مجھے کیا علم تھا

کہ یہ ہار
مہکے گا اتنا کہ پہنا نہ جائے گا
سولی بن جائے گا
اے معصوم پری!
تم کہاں ہو؟
کیوں مجھے اپنی خوشبو کی ڈور میں پرو کے چلی گئی ہو
یہ تیرے بالوں کی طرح
لمبی بہت لمبی ڈور
یہ تیری باتوں کے خوشبو
خوشبو کے گلاب
یہ تیرا سرو سا قد
سانپ سا پتلا بدن
یہ سب مجھے ڈستا ہے
اے انجان
معصوم پری
تھوڑی دیر کے لئے آ جا
پھر کسی بہانے چلی آ
میں جی بھر کے تمہیں دیکھوں

ایسے دیکھوں
کہ بن جاؤں صرف آنکھ
اور سامنے کچھ بھی نہ ہو
صرف تم ہو
تیری آنکھیں ہوں
تیری باتیں ہوں
تیرے بال ہوں
لمبے بہت لمبے بال
اور بال بھی گیلے
ان سے ٹپکے بوند بوند پانی
تو سر ہلائے
تو بالوں کی گھٹا ابھرے
موسم بدل جائے
مینہ برس جائے
اور میں نہا لوں
اے معصوم پری
دیکھ اس گرم موسم کی گرمی کو دیکھ
میرے لئے نہیں تو موسم کے لئے آ
چلی آ
آ کے کھول دے اپنے بال
روک لے میرے نصیبوں کی دھوپ
دے دے تھوڑی سی میٹھی چھاؤں

برسادے اپنی برسات
ایسی برسات
کہ آ جائے سیلاب
اور بہہ جائیں ضبط کے سارے بندھن
میں بہہ جاؤں
تو بہہ جائے
دونوں ہی بہہ جائیں
بہتے جائیں
ملتے جائیں
جیسی دو میل میں دو دریا

o
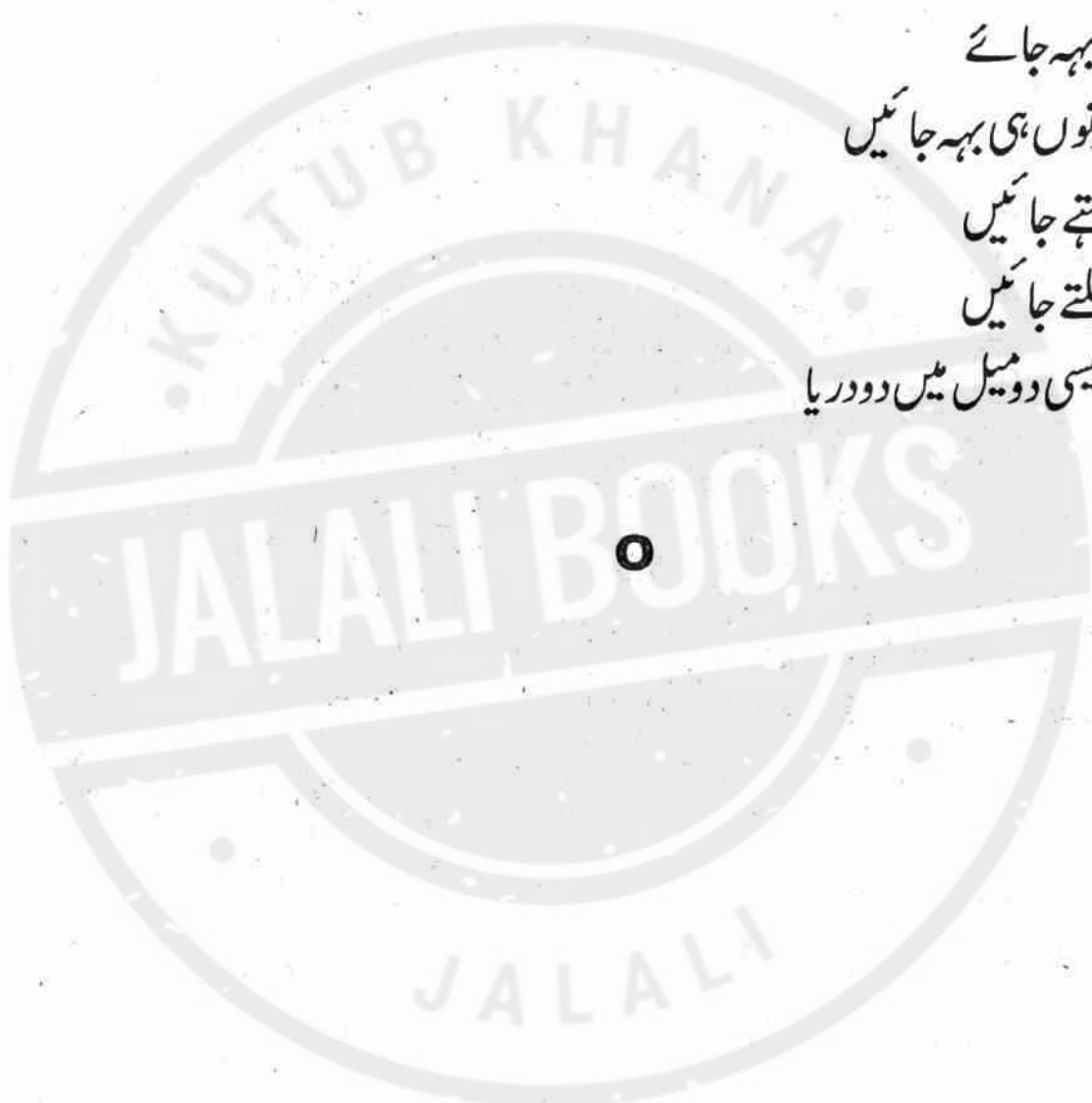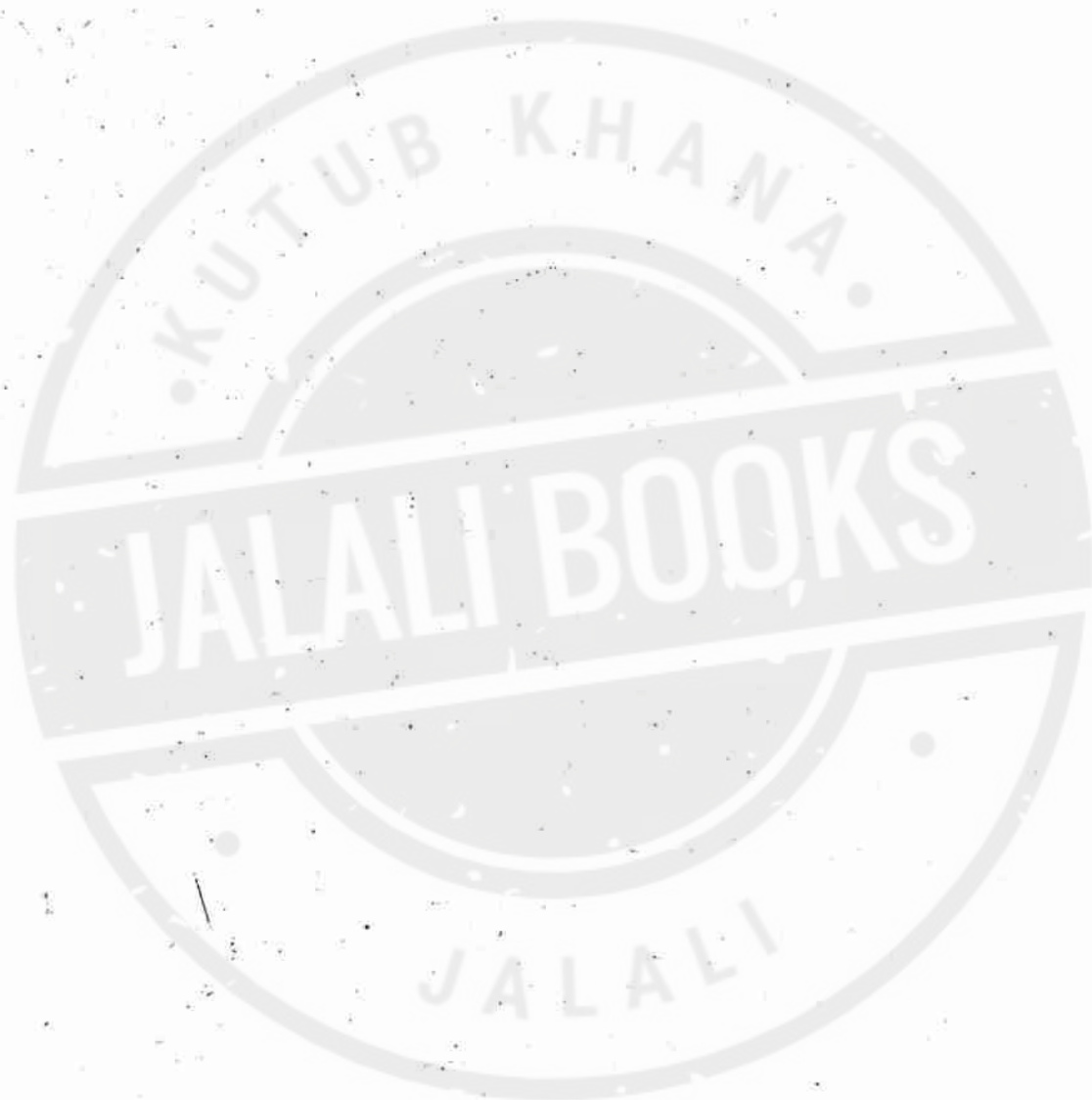
سرگوشی میں دعا

اس کی تقدیر اس کے ماتھے پہ درج تھی
مگر وہ ہاتھ میرے سامنے لا کے بولی
میرے قسمت پڑھیے
میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا
اور اس کی آنکھوں میں روشن روشنی سے لکھی تاریں پڑھتا گیا
جو مجھے میرے اندھے اندھیرے سے باہر لا رہی تھیں
اس کی آنکھوں میں تبسم تھا
اس کی نس نس مسکرا رہی تھی
اس کے ہونٹ کپکپائے
شہد کے چھتے سے شہد ٹپکا
کیا پڑھ رہے ہیں، وہ بولی
اپنی تقدیر، میں نے کہا

میں اپنی قسمت کا پوچھ رہی ہوں
وہ اپنا ہاتھ میرے دونوں سہمے ہاتھوں میں ہلا کے بولی
میں کیا بولوں
قسمت کی لکریں تو تیری نظر سے کھدتی ہیں
میں تو یہ سوچ رہا ہوں
میری قسمت کیا ہے
یہ تیرے ہاتھ جانتے ہیں، میں نے کہا
اس کے ہاتھ کی ہتھیلی میں کھدی اس کی لکیریں ہلیں
میرا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا
اس کی ہتھیلی پہ شہد اور صندل کے ذائقے جاگے
اور اس کے ہاتھ میرے ہاتھ کی لکیروں سے سرگوشیاں کرنے لگے
میں نے کان لگا کے سننا چاہا
اور دعا مانگی
قسمتوں کے لکھنے والے
تھوڑی دیر کے لئے یہ پکڑا ہاتھ
میرے ہاتھ میں رہنے دے
اس نے دعا سن لی
اور جھٹ میرے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ لے لیا

O

جھرنا

وہ ایک دم سے مسکرا کے ہنس پڑتی ہے
لگتا ہے
ایک لمحے کے لئے وہ سوچتی ہے
کہ جو سوچ رہی ہوں
سوچتی جاؤں
جو سن رہی ہوں
سنتی جاؤں
جو دیکھ رہی ہوں
دیکھتی جاؤں
مگر جیسے ایک دم سے اسے خیال آتا ہے
کہ یہ سب کیسے ممکن ہے
وہ اپنے وجود کے گرد بنے مجبوریوں کے

دائرے دیکھتی ہے
اور قسمت کے اس پر لطف مذاق پہ
ایک دم مسکرا کے ہنس دیتی ہے
جیسے ایکا ایکی کوئی جھرنا ابل پڑا ہو
پہاڑ چیر کے
(یہ سوچے بغیر کہ پہاڑ کو چرنے کا کتنا درد ہوا ہوگا)

o

سالگرہ

تمہاری سالگرہ کا دن ہے اور اداس میں ہوں
نہ کوئی حق ہے اس کا
نہ بظاہر کوئی قانونی جواز
بس ہوں ایسے ہی
اداس
اور اداس ہونے پہ قادر ہوں
اتنا ہی
جتنی دسترس تمہیں اداسیاں بانٹنے پر ہے
کبھی انتظار میں رکھ کے
کبھی رکھ کے منتظر
کہیں دور بٹھا کے کبھی
کبھی پاس بلا کے

دیکھو
دیکھتے دیکھتے ایک اور سال بیت گیا
محرومیوں کا
مگر تم کیوں اداس ہوتی ہو
یہ تمہارا دن ہے
تمہارے آنے کا
کوہ قاف کے پہاڑوں سے
اس دیس میں اترنے کا
سورج کی کرنوں کو پکڑ کے
چاند کے چہرے کو چھو چھو کر
دھوپ کو چاندنی بنا کے چلے آنے کا
تم خوشیاں مناؤ
ہنسو، قہقہے لگاؤ
چھریاں چلاؤ
کیک پہ
کاٹو
ٹکڑے ٹکڑے کر دو
ہر میٹھی سجی چیز کے
جو تمہارے لئے تمہارے میز پہ ہے
میں تو وہ ڈش ہوں
جو تمہاری ڈائننگ ٹیبل کا
آئٹم نہ ہوتے بھی

تیری دسترس میں ہے
تیرے سامنے ہوں
دور ہو کے بھی تمہارے ہاتھ میں ہوں
اور تمہارے کٹے کیک کی طرح
کٹا
پڑا
تمہارے گولڈ فورک سے چپکا
نوالہ بنا
تیرے حلق کا منتظر ہوں
اب کھا بھی لو یا کھانے دو
دیکھو دھوپ میں پڑی برف کی مانند
اس کٹے کیک کی ساری
میٹھی برف پگھل رہی ہے
میٹھے ذائقوں کی لکھی ساری عبارتیں
اس کے وجود سے سرک رہی ہیں
مگر ہر کٹے ٹکڑے کی قسمت میں کہاں یہ خوش بختی
کہ وہ برف وجود کے ساتھ دھوپ میں پڑے پڑے جڑا رہے، اپنے اصل سے
جس کا وہ بکھرا حصہ ہے
چلو
تم خوشیاں مناؤ
مزے کرو
ہم مناتے ہیں شام غریباں

اور دکھی اداس زخم بریدہ لمحوں میں

دعا کرتے ہیں

کہ تیرے حصے میں ایک بھی غم نہ آئے

اداسیاں تم سے دور بھاگیں

اس سے زیادہ دور

جتنا دور تم نے ہمیں بٹھا رکھا ہے

اور تمہاری اس سالگرہ

کے بعد

جو بھی تمہارا پیارا دن آئے

تو اس کا کیک

وہ نہ ہو

جیسا عموماً ایسے دن ہوتا ہے

بلکہ اس دن

تیرے سجے سجائے میز پہ

اندھی محبت کی اک طشتری میں

یہ ویران بجھا ہوا دل کھلا پڑا ہو

اور تم

مسکراتی ہوئی قدم قدم چلتی آؤ، بے نیازی بھری اپنی حسیں آنکھوں کی نگہ سے دیکھ کے، نہ دیکھنے کا سوانگ رچاتی، گراتی، تہس نہس کرتی ہوئی، چلی آؤ۔ ہپی برتھ ڈے کی میٹھی لوری میں سر سے پاؤں تک لبریز، میٹھے شیرے میں جلیبی کی طرح چپ چپ کرتی ہوئی آؤ اور کاٹو

اس کے ٹکڑے کر دو

اور شہر بھر میں

اپنی ہر جاننے والی ہستی

میں تبرک کی طرح بانٹ دو

بتادو

سب کو

کہ یہ احمق دل

میرے سینے کا نہیں ہے مگر مجھے ہی اپنا سب کچھ سمجھے بیٹھا ہے جیسے میں نے اسے اپنے لئے دھڑکنے کی ڈیوٹی پہ بٹھا رکھا ہو

ناحق

اس نے اپنی سال ہا سال زندگی میں ایک لاحاصل محبت کی گرہ ڈال رکھی ہے اور میری ہر سالگرہ کے دن، جب میں گزرے ہوئے اپنے، ایک سال کی گرہیں کھولتی ہوں، یہ میرے شعور میں کہیں سے آ کے میری زندگی کے دھارے میں ایک ان ہونی ان کہی سی، گرہ اور ڈال دیتا ہے

سرگوشی میں

دور کہیں ویرانے میں، اداس بیٹھا، دھک دھک دھڑکتا ہوا، زندگی کو سانس سانس جیتے ہوئے، مجھے خوش رنگی، مہکتی، آبرو آور، بے نیاز زندگی کی دعائیں دیتا ہے جو قبول ہو گئیں تو یہ میرے شعور سے بھی محو ہو جائے گا

پھر میں کیا کروں گی!

مجھے بتاؤ، اس کا کیا کروں؟

o
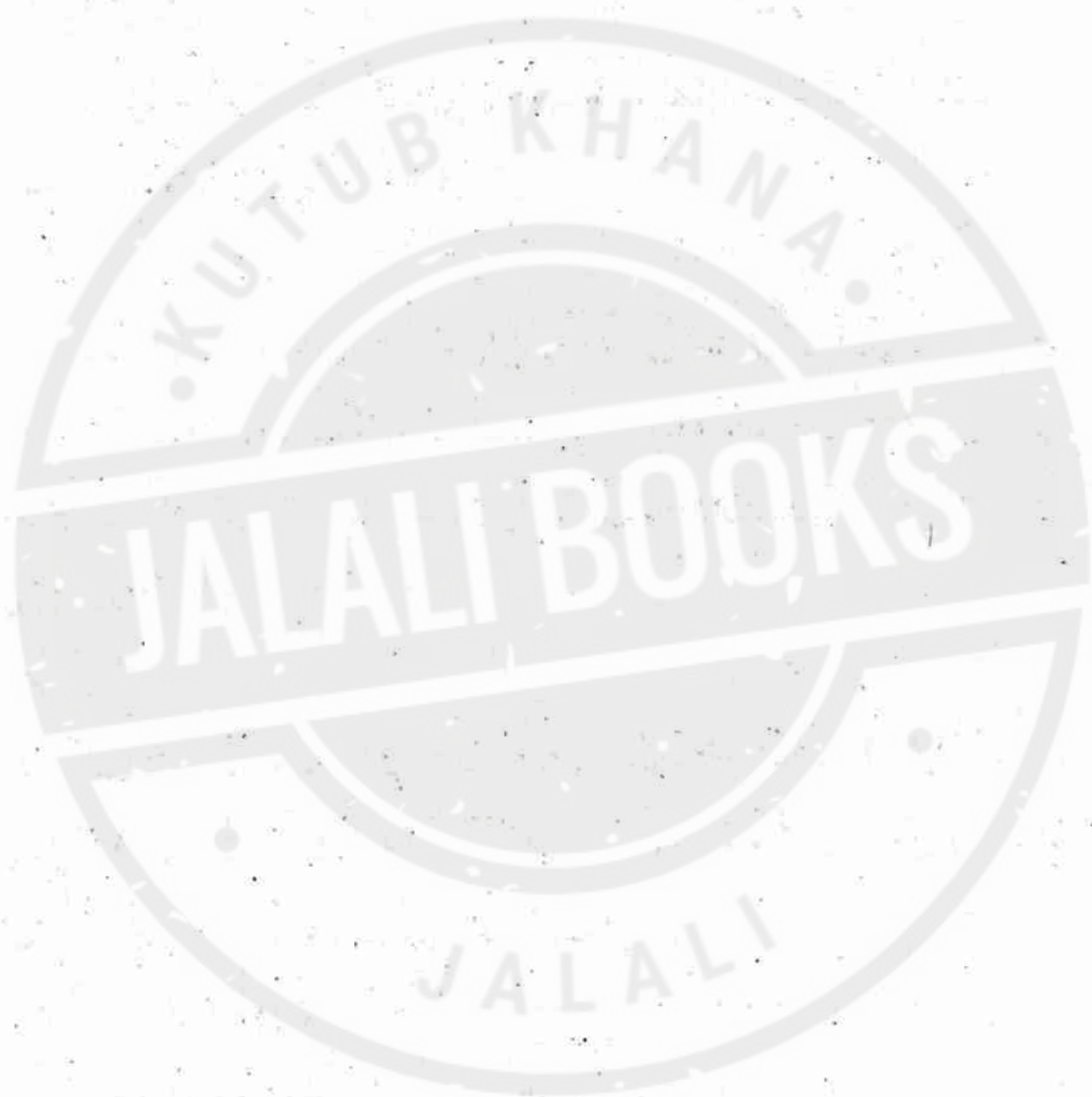
آنے والی برسات

پہلی بار جب
تمہارے آنگن کی چھت پہ
بجلیاں کڑکی تھیں
بادل برسا تھا
تو
تم کیوں خشک ریت بنی
ساری بارش سہتی رہی
نہ نہ خود سے کہتی رہی
اب کیوں تمہیں احساس ہوا ہے
کہ تم ریت نہیں بادل ہو
اور برس سکتی ہو
کیا تمہیں معلوم ہو گیا ہے

کہ پھر موسم بدلنے والا ہے
گرم جدائی کے لمبے دن
کیلنڈر سے اترنے والے ہیں
اور پہاڑوں کی خوشگوار ٹھنڈی گود سے
میٹھی ٹھنڈی ہوائیں انگڑائی لے کر جاگ اٹھی ہیں
اور برکھا رت کی خوش خبری لے کر
تمہاری طرف آنے والی راہ پہ بھاگی چلی آتی ہیں
کہ تمہاری روح کے گم شدہ جزیرے میں
ہر خوشبو کی بوندا باندی ہو
محبت کی موسلا دھار بارش ہو

ہاں
سچ سمجھی ہو
ہمارے ملن کی رت آ رہی ہے
برسات آنے والی ہے

○

منصور حلاج

دیکھو
میری جان
خدا سے ڈرنے کا سبق دینے والے
اک اک کر کے آئے
سبق پڑھایا اور چلے گئے
ان کے سبق باقی ہیں
وہ کافی ہیں
یہ جو ہر گلی محلے میں تم
خود ساختہ ڈرانے کا منصب لے کے اترے
ہوئے لوگوں کو دیکھتی ہو
میں ان سے تمہیں ڈرا رہا ہوں
ان سے ڈرو

بچو

اور یاد رکھو

یہ وہ نا آشنائے خدا ہیں

جو پالنے والے کے نام پہ لوگوں کو مدت سے

مصلوب کرتے آئے ہیں

اس بھیڑ میں

اگر کوئی شناسائے خدا ہے

تو وہ ہے

جو مصلوب نہیں کرتا

اپنے من کی صلیب اٹھا کے جیتا ہے

اور اک دن سولی پہ چڑھ جاتا ہے

اس سے راز کی بات پوچھنا

وہ محبت کے بھید کا بھیدی ہے

o

میری قوم

تم بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں تو آ ملی ہو
مگر
تمہیں ہانکنے والے
گڈریے کی پہچان نہیں ہوئی
نہ تمہیں یہ پتہ ہے کہ
گڈریا وہ نہیں ہوتا جو آگے چلے
گڈریا تو پیچھے رہ کے
اک اک بھیڑ بکری اور ان کے کمزور بچوں تک کی ضرورتوں سے آگاہ ہوتا ہے
چراگاہ کی اونچ نیچ کا وہ بھیدی ہوتا ہے
کہاں اونچی گھاس ہے
کس گھائی سے اتر کے ریوڑ کو پانی ملے گا
کہاں سایہ دار پودے ہیں
اور انہی سایہ دار پودوں کے سکھ کے حصول سے بھی وہ پہچانا جاتا ہے

اس لئے کہ سیانے کہتے ہیں گڈریا کبھی، خود چھاؤں میں بیٹھ کے اپنی بھیڑوں کو

دھوپ میں نہیں رکھتا

تمہیں کیا کیا بتاؤں

کیسے بتاؤں

تم نے اپنی آنکھوں کو

راہبری کا مقام دے رکھا ہے

جو تمہیں دکھایا جاتا ہے تم مان لیتی ہو

تمہیں کیسے بتاؤں

کہ بھیڑ کی کھال میں ملبوس کتنے بھیڑیے تیرے آس پاس ہیں

اور جسے تو نے گڈریا سمجھ رکھا ہے

وہ بڑے شہر کے قصائی کا دلال ہے

اور اسی طرف تمہیں ہانکتا لیے جا رہا ہے

جاؤ

دیکھو

چھری کے نیچے آنا تو تیری قسمت ہے

(اس لئے کہ تو بھیڑ ہے)

کاش تجھے

قربانی کے مقدس ذبیح

اور قصائی کی دوکان پہ لٹکتے

برہنا بکاؤ گوشت کا فرق معلوم ہوتا

کون بتائے؟

جاؤ

O

BOOKS OF ABDAAL BELA

Rs. 600.00

www.sangemeel.com
ISBN-10: 969-35-2761-5
ISBN-13: 978-969-35-2761-2